دلیل راہ

2007 — 1428ھ

الٓمٓ ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیهِ

عید مبارک

علامہ اقبال

اے مہ عید بے حجاب ہے تو
حُسنِ خورشید کا جواب ہے تو
اے گریبانِ جامۂ شبِ عید
شاہدِ عیش کا شباب ہے تو
اے نشانِ رکوعِ سُورۂ نور
نقشۂ کلکِ انتخاب ہے تو
اے جوابِ خطِ جبینِ نیاز
طاعتِ صَوم کا ثواب ہے تو
ہائے اے حلقۂ پرِ طاؤس
قابلِ ذلک الکتاب ہے تو
فوجِ اسلام کا نشان ہے تو
چشمِ نصرت کا انتخاب ہے تو
چشمِ طفلی نے جب تجھے دیکھا
کہہ دیا خواب کو کہ خواب ہے تو
طوفِ منزلگہِ زمیں کے لئے
ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو
یہ اُبھرتے ہی آنکھ سے چُھپنا
روشنی کا مگر حُباب ہے تو
تو کمندِ غزالِ شادی ہے
لذّت افزائے شورِ طفلی ہے

روئے پرنور میں ہے

نورِ خدا کا جلوہ

سخنور سکندر آبادی

روئے پر نور میں ہے نورِ خدا کا جلوہ
دوتو بازو شجرِ طور کی شاخوں سے سوا
پُشت پر مہر میں ہے مہرِ منوّر کی ضیا
اب تو بے سائگیٔ شاہ میں شک بھی نہ رہا

وہاں تجلی نظر آتی ہے ، جہاں سایہ ہو
ایسے نوارِ مجسّم کا کہاں سایہ ہو

آپ ﷺ جب بزمِ ازل میں ہوئے رونق آرا
سب نے سایہ کو ذرا خاک پہ گرنے نہ دیا
تھا مقدس تو تبرّک کی طرح بانٹ لیا
سُرمۂ طور کے مانند پھر آنکھوں میں لگا

پُتلیاں کاہے کو ہیں دیدۂ اِنس و جن میں
آپ ﷺ کے سائے کی تقسیم ہوئی ہے ان میں

بے سبب ہے تو فقط ایک ہی ذاتِ کبریا
باقی سب کو ہے ضرور ایک سبب کا ہونا
آج تک سب نے قد شاہ ﷺ کو بے ظل پایا
ہم نے دیکھا تو عجب طرح کا سایہ دیکھا

کچھ خبر بھی ہے دلِ زار تجھے ، کیا ہے جہاں
آپ ﷺ میں ظلِ خدا ، آپ ﷺ کا سایہ ہے جہاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئی صدا کہ دیکھ کے چل

آج کا اداریہ بلاتمہید سعودی حکومت کے فرمانروا شاہ عبداللہ کے نام نذر ہے۔ شاہوں بادشاہوں کے قصیدے پڑھنا ہمارا خاندانی اور مذہبی شعار نہیں۔ تاہم حجازِ مقدس کے خارِ مغیلاں بھی ہمارے لئے گلہائے جنت کی مہک رکھتے ہیں۔ وہاں کا ہر سکونت گزیں ہمارے لئے قابلِ احترام ہے۔ یقین جانیئے پورے عالم اسلام میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ شاہ فہد کے بعد شاہ عبداللہ اسلامی ورثہ کے امین بن کر ابھریں گے اور یہ بات واقعۃً بالا از کذب ہے کہ مذہبی نظریات اور افکار میں شاہ عبداللہ شاہ فیصل کے جانشیں کہے جاسکتے ہیں لیکن سیاست کی ستم ظریفی دنیا بھر کے اہل عقدو کشا گونگے، بہرے اور اندھے اہلِ علم کو ٹھیکے پر لیتے رہتے ہیں۔ سعودی عرب کی حکومتیں بھی اس بے نفع تجارت سے خسرانِ عظیم کا شکار ہورہی ہیں۔

چند مہینے پہلے کی بات ہے پاکستانی حکومت کی دعوت پر امامِ کعبہ کی جلوہ گری ہوئی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ کعبے سے قرآن وسنت کی خوشبو لے کر ہمارے وطن میں وارد ہوں گے اور عقیدتوں کی نسیم سحر انہیں اپنے دوش پر بٹھا کر وطن کی گلی گلی کی سیر کرائے گی لیکن حضرت نے پاکستان کے محراب ومنبر کے حریت کے خلاف محصور فتویٰ صادر فرمایا اور کہا نماز کے علاوہ مساجد میں اجتماعات جائز نہیں۔ شاید ان کی مراد میلاد و معراج اور درس و تدریس کی محافل تھیں۔ تعبیرات کا یہ اندھا انداز قرآن وسنت کے مطابق نہیں۔ لکھے ہوئے بے جان خطبے، منبروں سے صادر کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا گلا گھونٹنا ہے۔ ہمیں یہ بات اس لئے لکھنا پڑی کہ پاکستان میں بھی ایسا سوچا جارہا ہے۔ شاہ عبداللہ سے گذارش ہے کہ سعودی حکومت کے خوانِ نعمت پر پلنے والے علماء کے فتویٰ سے پاکستان میں ملا فیضی اور ابوالفضل، محمد جونپوری جیسے لوگ پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیئے۔ سعودی حکومت حرمین شریفین کے محاضرین پر دوسرے ممالک میں مداخلت پر پابندیاں عائد کرے۔

بات چل پڑی ہے تو یہ بھی اس گوشۂ علم میں اتار لیا جائے جہاں بیٹھ کر شاہ بادشاہ بڑے بڑے فیصلے کرتے ہیں کہ سعودی حکومت نے صرف پاکستان کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا ہے کہ ہر ملک یہاں تک کہ برطانیہ و امریکہ سے بلا روک ٹوک زائرین مکہ شریف اور مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں، لیکن یہ امتیاز صرف پاکستانیوں کے ساتھ ہے کہ چالیس سال سے کم عمر عشاقِ رسول سرزمین حجاز پر قدم نہیں رکھ سکتے۔

پنجابی زبان کا محاورہ ہے ”میں تیریاں نمازاں پڑھاں تو میرے کوزے پین“۔ ہم عربی لباس میں کسی شخص کو جب ملبوس دیکھتے ہیں، ہماری دل کی دھڑکنیں بھی اس کی بلائیں لینے لگ جاتی ہیں لیکن ہماری قوم اور قومیت

دونوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ہماری حکومت جن اہل کاروں کو حاجیوں کی سہولت کے لئے مامور کرتی ہے، سننے میں آیا ہے وہ کمیشن خوری کے سوا کچھ بھی نہیں کرتے۔ ہماری مذہبی امور کی وزارت کو سمجھنا چاہئے کہ ایران کے ساتھ سعودی حکومت نے امتیاز برتنا چاہا تھا لیکن ان کی زندہ حکومت نے مذہبی اور انسانی سطح پر اپنی عوام کے تحفظ کے لئے وہ زور دار وکالت کی کہ آج حکومت سعودی شیعہ کے مخالف ہونے کے باوجود بقیع قدس کے سامنے ماتمی اقدار کو تحفظ فراہم کر رہی ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کے سچے عاشقوں کو زر خرید ملا مواجہہ شریف کے سامنے توہین آمیز سلوک کا شکار بنا رہے ہوتے ہیں۔ اس پر مستزاد دونوں ملکوں کی ایئر لائنز نے جو تماشا مچا رکھا ہے، لگتا ہے ان کا کوئی مادر پدر ہی نہیں۔ ان مذہبی زیادتیوں کے ازالہ کے لئے کیا امریکہ بہادر سے شکایت کرنی پڑے گی یا پاکستان اور سعودیہ مل کر زائرین کو سفری سہولتیں مہیا کرنے کے لئے کچھ اقدام اٹھائیں گے؟

یہ سطور لکھی جا رہی تھیں کہ اسلام آباد ائرپورٹ پر سابق وزیر اعظم کو ملک بدر کر کے سپریم کورٹ کی عزت اور وقار داغ دار کرنے کا اہتمام ہو رہا تھا۔ اس موقع پر بھی دو چار لوگ سعودی لباس زیب تن کئے ہوئے نظر آئے تھے۔ ہمیں معاہدوں وغیرہ سے کچھ غرض نہیں ہم غیر سیاسی محب وطن لوگ ہیں صرف اتنا جانتے ہیں کسی قومیت کا کوئی حامل شخص مال تجارت تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ حکومتیں چاہیں تو ملک میں آنے دیں اور چاہیں تو نہ آنے دیں۔ شہریت تقدس مآب پہچان بلکہ ایمان ہوتی ہے اسے مسترد کرنا قوم کے گلے پر خنجر چلانا ہوتا ہے۔ اس موقع پر بھی دبے لچے لہجے میں ہماری قوم نے سعودی شہزادوں کو ہمارے ملک میں عدم مداخلت کی درخواست کی تھی، لیکن جنگل میں کون کس کی فریاد سنے۔

یا پھر یہ ہونا چاہیئے جیسے داتا صاحب نے لکھا آپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہوئے اور ایک آدمی کو کاروانِ حج کا امیر بنا دیا گیا، راستے میں قافلے کو قزاقوں اور ڈاکوؤں نے روک لیا اور اپنے رئیس کے سامنے پیش کیا۔ رئیس نے کہا "جو کچھ ہے حاضر کرو" سب نے ما حاضر سامنے رکھ دیا جب تلاشی لی گئی تو امیر قافلہ سے کچھ اشرفیاں برآمد ہو گئیں۔ قزاقوں کے سردار نے کہا اس شخص کو قتل کر دیا جائے، داتا صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ یہ ہمارا امیر ہے اسے ہم قتل نہیں ہونے دیں گے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا لیکن یہ کیسے ممکن ہوا کہ تم سچوں نے اس جھوٹے کو امیر بنا دیا اسے واپس کیا جاتا ہے۔ تمہیں حج پر جانے کی اجازت ہے۔

یہ کہانی اس لئے لکھی ہے کہ یا پھر حکومتیں اعلان کر دیں تم بھی جھوٹے ہم بھی جھوٹے، حج عمرے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے آؤ سارے مل کر ویزے حاصل کریں اور جائیں برطانیہ اور امریکہ تا کہ پھر کوئی اقبال حدی خوانی کرتے ہوئے روئے، چلائے اور ڈانٹے۔ بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل۔ ممکن ہے اقبال کے زمانے میں حرم کا ویزا آسانی سے مل جاتا ہوگا اور اقبال کی عمر بھی چالیس سال سے زیادہ ہوگی اور اقبال کے زمانے کی حکومت بھی اپنے شہریوں پر ترس کھاتے ہوئے ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہوگی۔

آج تو بس نہ پوچھیے ہر ذہن گویا فریاد کر رہا ہے

آئی صدا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر   میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

سید ریاض حسین شاہ

درسِ قرآن

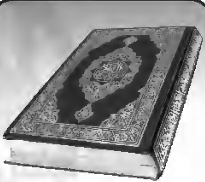

مولانا محمد بخش مسلم رحمتہ اللہ علیہ

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۖ فِيْهِ ۚ

الم۔ یہ وہ کتاب الٰہی جس کا قدرت کی طرف سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

انسان حیوان ناطق ہے، وہ بولتا ہے، انسان کے فرزند کی بولی پرند، چرند، اور درند سے نہیں ملتی۔ بولنے سے کام بنتا ہے مگر کسی کی آواز دوسرے سے نہیں ملتی۔ آواز بالکل ملتی جلتی ہوتی تو دنیا کا کام نہ بنتا۔ مادہ یا قوت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کار آمد اختلاف و تفاوت کو پیدا کرے لہٰذا عقلاً ماننا پڑتا ہے کہ یہ کرشمہ کسی بڑے علم، بے پناہ قدرت والے کا ہے۔ ہم منہ سے گفتگو کرتے ہیں۔ ہمارے ذہن سے جوان گنت گوناگوں قسم کی آوازیں نکلتی ہیں۔ ان آوازوں کے مجموعہ کا نام ہے الفاظ۔ یہ لفظ کی جمع ہے۔ جب ہم لب کشا ہوتے ہیں، زبان چلتی ہے، منہ ہلتا ہے، لب و دہن کی جنبش سے جو فرق نمایاں ہوتا ہے اسے کہتے ہیں حرف ہر لفظ حرفوں سے مرکب ہوتا ہے، مثلاً عرب ایک لفظ ہے۔ اس میں تین حروف ہیں۔ ع، ر، اور ب۔

ان حروف کو زبان سے نکالنے اور تحریر میں لانے کے مختلف طریق ہیں۔ ان حروف کو عربی میں "الحروف الہجائیہ" (حروف تہجی یا ہجا) کہا جاتا ہے۔ ہجا کے معنی ہیں ہجے کرنا۔ عربی میں حروف ہجا ۲۸ ہیں، ان میں سے ۱۴- ایسے ہیں جو قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کے ابتدا میں اس طرح آئے ہیں کہ ان کو عصٓ، حمٓ لکھا جاتا ہے۔ انہیں حروف مقطعات کہتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اس کا استعمال عام ہو گیا ہے۔ اس لئے ان پر لمبی بحث مطلوب نہیں۔ مقطعات جمع ہے، مفرد ہے قطعہ، اس کا ترجمہ ہے ٹکڑا۔ داغ دہلوی لکھتے ہیں:

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جدا ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

عہد حاضر میں ہر دفتر، ہر ادارہ، ہر مدرسہ، ہر کالج، ہر قوم، ہر گھر اور ہر نظام میں اس کا رواج عام ہے۔ ہر حرف ایک لفظ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اے۔ پی۔ پی سے مراد ہے ایسوسی ایٹڈ پریس، م، چ، د۔ مراد ہے محمد چراغ الدین کا، پی۔ آر ہے پاکستان۔ جو لوگ انہیں بولتے ہیں، ان پر ان کا مطلب واضح ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے سی۔ ایم۔ جی میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ سی ایم جی مخفف ہے سول ملٹری گزٹ کا۔ ایسے ہی الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، م ایک حرف ہے۔ آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت ابن عباس نے بتایا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کہتا ہے۔ انا اللہ اعلم۔

حروف مقطعات ایک دلچسپ توجیہہ

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جدا

یعنی میں ہوں اللہ، میرا علم سب سے زیادہ ہے۔ میں اپنے علم کی بنیاد پر کہتا ہوں ذالک الکتاب ۔ یہ قرآن ہے الہامی کتاب، وعدہ کیا گیا تھا کہ اسے نازل کیا جائے گا۔ چنانچہ اسے نازل کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ پر۔ کتاب انزلناہ الیک۔

میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا

عہد نامہ قدیم (تورات) کی کتاب استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ میں ہے خداوند عزوجل نے حضرت موسیٰ سے فرمایا:

''میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔''

حضرت موسیٰ کی قوم کا نام بنی اسرائیل تھا۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اور بنی اسرائیل کا ترجمہ ہے اولادِ یعقوب۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد محترم کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے سگے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ بنی اسرائیل کے بھائی تھے بنی اسماعیل۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں بہت سے انبیاء ہوئے مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں صرف آنحضرت ﷺ نبی ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کسی اور کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ اس لئے اس پیشگوئی کا مصداق حضور اکرم ﷺ کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

جب وہ روح حق آئے گا تمہیں سچائی کی راہ دکھائے گا

حضرت موسیٰ جیسے نبی آنحضرت ﷺ ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کہلاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہوا۔ ما ینطق عن الھویٰ ۔ آپ کی وحی آپ کی خواہش کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ کلام وہ ہے جو آپ پر القاء ہوا ہے، اور آپ اسے زبان سے صادر فرماتے ہیں۔ مولانا روم نے کیا خوب فرمایا ہے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

نبی کریم ﷺ نے ہر وہ کلمہ ظاہر کر دیا جو آپ پر القاء کیا گیا۔ ایک حرف تک بھی نہیں چھوڑا۔ اللہ کا محبوب کے نام تو فرمان ہے۔ بلغ ما انزل الیک ۔ آپ پر جو کلام نازل کیا گیا ہے آپ اس کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام سے پوچھا ھل بلغت کیا میں نے پہنچا دیا؟ سب نے کہا بلغت وادیت ونصحت ۔ آپ نے پہنچا دیا، پہنچانے کا حق ادا کر دیا اور جو پہنچایا اس کی وضاحت بھی کر دی۔

جناب مسیح نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا ''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ ''روح حق'' آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہیں کہے گا، وہ جو کچھ سنے گا، وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' (یوحنا باب ۱۶)

ظاہر ہوا کہ مسیح اپنی باتیں بھی نہ کہہ سکے۔ انہوں نے تھوڑی سی باتیں کہیں زیادہ نہ کہیں۔ وجہ یہ تھی کہ سننے والوں میں ان کے سننے کی طاقت نہیں تھی۔ سب کچھ وہ سنائے گا جو سچائی کی روح ہو گا۔ جسم حق ہو گا۔ جناب مسیح نے ان کو تھوڑی سی راہ صداقت دکھائی۔ تمام سچائی وہی دکھائے گا جو روح حق ہے۔ وہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ گویا وہ جو کلام پیش کرے گا حقیقتاً کلامِ خداوندی ہو گا۔ اس میں مطلقاً شک وشبہ نہیں ہو گا۔ وہ برحق خدا کا کلام ہو گا۔ جناب یوحنا اپنی انجیل کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

''اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں، ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔''

یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ جناب یوحنا نے مسیح کے کاموں میں سے محض چند کاموں کو سپرد قلم کیا۔ گویا وہ کلیات مسیح سے محض ''چند اشعار'' ہی اپنی انجیل مقدس میں درج فرما سکے۔ مسیح کے کام اور کلام سے خواص وعوام آگاہ نہیں ہیں۔ آپ کے کاموں سے جناب یوحنا آگاہ تھے، مگر انہیں لکھنے سے قاصر رہے۔ قرآن عزیز، جناب موسیٰ، جناب عیسیٰ اور اصحاب نبوی کا بیان یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت انسانی

زندگی کا پورا نظام مکمل ہو گیا اور اسلام پایۂ اتمام کو پہنچ گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

ذالک، گو اسم اشارہ بعید کے لئے ہے مگر اشارہ قریب کے لئے بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ قریب کے لئے ہٰذا بھی ہے جس کا ترجمہ ہوگا، یہ ہے۔

الکتاب، اصل میں مصدر ہے پھر مکتوب فیہ (یعنی جس میں لکھا گیا ہو اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ الکتاب سے مراد مخصوص کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم ہے اور وہ اپنے علم کی بنا، پر فرماتا ہے یہود و نصاریٰ کے صحائف میں جس کتاب کا ذکر ہے وہ یہی کتاب (قرآن مجید) ہے، یہود مغضوب اور نصاریٰ ضالین ہیں۔ یہودیوں کے سب سے بڑے ہادی جناب موسیٰ علیہ السلام ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عیسائیت وابستہ ہے۔

کتاب کے معنی جمع کرنا ہے۔ لشکر جس میں سپاہی ہوتے ہیں، اسے کتیبہ کہتے ہیں۔ حروف جمع کرنے والے کو کاتب کہا جاتا ہے۔ یونہی قرآن میں علوم کے خزائن جمع ہوتے ہیں۔ کتاب کے معنی ہیں لازم کرنا، فرض کرنا جیسے **کتب علیکم الصیام** ۔تمہارے لئے روزے فرض کئے گئے ہیں اس کی جمع ہے کتب اور اس کا ترجمہ ہوا احکام۔ قرآن کی نسبت یہ برملا ارشاد ہے **فیھا کتب قیمہ** ہمیشہ کے لئے واجب العمل احکام اس قرآن میں موجود ہیں، کتاب کا مفہوم ہے واضح دلیل۔ ارشاد ربانی ہے **فاتو بکتابکم** ۔اپنے دلائل پیش کرو۔

کتاب کا ترجمہ ہے مدت، کتاب معلوم، یہ کتاب مرقوم ہے الواح سینہ پر۔ لا ہے نفی جنس کا یعنی نہیں اور ریب کا ترجمہ ہے شک وشبہ۔

گردش زمانہ کو ریب المنون سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ حوادث رونما ہوتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں حادثہ کب وقوع پذیر ہوگا؟

چونکہ اس سے اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے بھی ریب سے موسوم کیا جاتا۔ ارتیاب کا مطلب ہے، شک میں مبتلا ہو جانا۔ ارشاد نبوی ہے دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک۔ جو کچھ تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور اسے اختیار کرلے جو شک وشبہ سے پاک ہو۔

یہ کتاب اللہ کی ہے۔ اللہ جانتا ہے اس میں کیا ہے۔ وہ اپنے علم کی بنا پر یہ فرماتا ہے کہ بے شک یہ کتاب الہامی ہے۔ اس میں کوئی خلجان نہیں۔ یہ اضطراب اور شکوک کو دور کرنے والی ہے۔ حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

WWW.NAFSEISLAM.COM

ارشاد نبوی:

مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں حدیث نبوی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"قرآن ہی خدا کی مضبوط رسی ہے، وہی ذکر حکیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔ اس میں خواہشیں نہ کچھ پیدا کر سکتی ہیں۔ نہ زبانیں شک ڈال سکتی ہیں۔ بار بار دہرانے سے وہ پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے کے نہیں۔ علماء کو کبھی اس سے سیری نہیں ہو سکتی۔ جو کوئی اس کے مطابق کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ جو کوئی اس کی راہ پر چلتا ہے اجر پاتا ہے۔ جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے عدل برتتا ہے۔

جو کوئی اسے سرکشی سے چھوڑ دیتا ہے۔ خدا اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ جو کوئی اس سے روگش ہو کر ہدایت چاہتا ہے خدا اسے گمراہی کے حوالے کر دیتا ہے۔

✿ ✿ ✿

حصولِ علم اور رضائے الٰہی

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ یعنی ریحہا. (سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۱۶۰، کتاب العلم باب فی طلب العلم لغیر اللہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ان علوم میں سے کوئی علم سیکھے جس کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول مقصود ہوتا ہے (لیکن) اسے اس لئے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعے دنیوی مال و متاع حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا۔

یبتغی بہ یہ مضارع مجہول کا صیغہ ہے ابتغاء تلاش اور طلب کرنا، عرف الجنۃ، جنت کی ہوا۔ راوی نے عرف الجنۃ کی تفسیر ریحہا سے کی ہے یعنی جنت کی ہوا۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو روایت احادیث کے حوالے سے نہایت معروف اور کثرت روایت کے اعتبار سے تمام راویان احادیث (صحابہ کرام) پر فوقیت رکھتے ہیں۔

جو علوم محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سیکھے جاتے ہیں

آپ کا نام کفر میں عبد الشمس اور اسلام میں عبد الرحمن ابن صخر دوسی تھا۔ (قبیلہ دوس سے تعلق کی وجہ سے دوسی کہلاتے تھے) خیبر کے سال اسلام لائے۔ چار سال سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ہمراہ سایہ کی طرح رہے۔ آپ کو بلی بڑی پیاری تھی حتیٰ کہ ایک بار آستین میں بلی لئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم ابو ہریرہ یعنی بلیوں والے ہو۔ (عربی میں بلی کو ھرۃ کہتے ہیں) تب سے آپ اسی کنیت سے مشہور ہو گئے۔ آپ سے چار ہزار تین سو چونسٹھ احادیث مروی ہیں۔ (مراۃ المناجیح از حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول، ص ۴۶)۔

حدیث شریف کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ جو علوم رضائے الٰہی کی خاطر سیکھے جاتے ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی سیکھنا چاہیئے۔ دنیوی مال و متاع مقصود نہیں ہونا چاہیئے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ علوم کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا" مما یبتغی بہ وجہ اللہ" ان علوم میں سے کچھ سیکھے۔ جو علوم محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سیکھے جاتے ہیں۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علوم جن کے حصول کا مقصد دنیا کمانا نہیں اور حقیقتاً انہی پر علوم کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے وہ علوم جن کو سیکھنے کا مقصد دنیوی فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ علوم دراصل فنون کے زمرے میں آتے ہیں مثلاً انجینئرنگ وغیرہ اگرچہ "انما الاعمال بالنیات" کے تحت ان علوم و فنون کو بھی رضائے الٰہی کے حصول کا سبب بنایا جا سکتا ہے کہ ان کو سیکھتے اور استعمال کرتے وقت خلق خدا کی خدمت کا جذبہ پیش نظر ہو تو "ہم خرما و ہم ثواب" والی بات ہو گی یعنی

دنیوی مال ومتاع بھی حاصل ہوگا اور خدمت خلق کی نیت کی وجہ سے اجر وثواب بھی ملے گا۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ علوم کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں

۱۔علوم دینیہ ۲۔صناعات عربیہ ۳۔فنون ادبیہ

تفسیر بیضاوی کے حاشیہ شیخ زادہ میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی

علوم دینیہ: (اصول) علم التفسیر، علم الحدیث، علم کلام، اور اصول فقہ (فروع) فقہ اور علم الاخلاق۔

صناعات عربیہ: خاص لوگوں کی اصطلاح میں اگر نظر واستدلال کے ذریعے کوئی چیز حاصل ہو جیسے طب تو وہ علم ہی کہلائے گا۔ (اگرچہ علوم دینیہ میں شامل نہیں) اور اگر اس کا تعلق عمل کے ساتھ ہے تو یہ صنعت ہے جیسے درزی کا علم کہ اس کا تعلق عمل کے ساتھ ہوگا۔

فنون ادبیہ: ان میں بعض اصول ہیں مثلاً لغت، صرف، نحو، اشتقاق، معانی، بیان، عروض، قافیہ اور بعض فروع ہیں یعنی خط، قرض الشعر (تقطیع اشعار) انشاء، محاضرات اور تواریخ (شیخ زادہ علی البیضاوی ص ۸، مکتبہ ایشیق شارع دار الشفقت استنبول، ترکی)

جو رضائے الٰہی کی بجائے دنیوی مال ومتاع کے حصول کے لئے علم حاصل کرتا ہے وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا کوئی بھی فن، علم یا کوئی بھی کام دین سے الگ نہیں ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ ناجائز اور نقصان دہ عمل نہ ہو۔

لیکن یہاں دینی علوم مراد ہیں۔ ان کا حصول رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہوتا ہے اس کی قیمت یا اجرت نہیں لی جاتی بلکہ رزاق عالم اپنے فضل وکرم سے ایسے لوگوں کے لئے جہاں عزتوں کے دروازے کھول دیتا ہے وہاں باعزت طریقے سے رزق بھی عطا کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت وبلاغت کا جوہر بدرجہ اتم عطا فرمایا تھا اور آپ ﷺ کی گفتگو جس طرح وقت کے تقاضوں (بلاغت میں اسے تقاضائے حال کہتے ہیں) کے مطابق ہوتی تھی عرف اور محاورات کو بھی آپ نظر انداز نہیں فرماتے تھے۔

عام طور پر بطور مبالغہ یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہ فلاں کو فلاں چیز کی ہوا بھی نہیں لگی مثلاً کسی شخص سے علم کی نفی مقصود ہو تو کہا جاتا ہے تم کس کی بات کرتے ہو اسے تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی فلاں کو اخلاق کی ہوا بھی نہیں لگی وغیرہ وغیرہ

تم جو علم حاصل کر رہے ہو کبھی اسے فروخت نہ کرنا

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ایسا شخص جو رضائے الٰہی کی بجائے دنیوی مال ومتاع کے حصول کے لئے علم حاصل کرتا ہے وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا یہ بات بطور مبالغہ ارشاد فرمائی یعنی جنت سے دور رہے گا۔

یہاں ایک بات جو بطور عقیدہ ہمارے لئے جاننا اور ماننا ضروری ہے یہ ہے کہ مسلمان (کلمہ گو) چاہے وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو اس کا دائمی ٹھکانہ جنت ہے لہٰذا حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ وہ پہلے مرحلہ میں جنت میں نہیں جائے گا اپنے گناہ کی سزا بھگتنے کے بعد دوسرے گناہ گار مسلمانوں کی طرح بالآخر جہنم سے نکال کر اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا کیونکہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا کفار کے لئے ہے۔

اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ اپنا علم دوسروں تک پہنچانے کی خاطر وہ سودا بازی کرتا ہو بلکہ رسول اکرم ﷺ نے نہایت حکمت بھرا انداز اختیار فرمایا اور یہ بات مدرس، معلم اور مبلغ کے بارے میں فرمانے کی بجائے متعلم کے بارے میں فرمائی گویا "گربہ کشتن اول روز باید" (بلی کو پہلے دن ہی مارنا چاہیے یعنی روکنا چاہیے) پر عمل کی راہ دکھائی کہ ابھی اس کا دور طالبعلمی ہے اس کی ذہن سازی ممکن ہے لہٰذا اس وقت اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جائے کہ تم جو علم حاصل کر رہے ہو کبھی اسے فروخت نہ کرنا تو یقیناً جب وہ عملی میدان میں نکلے گا تو مصفّیٰ ذہن کے ساتھ جائے گا اور حاصل کردہ علم دوسروں تک رضائے الٰہی کی خاطر پہنچائے گا گویا حضور ﷺ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ مدارس دینیہ طلباء کی ذہن سازی کریں جہاں ان کو عقائد اور فرق باطلہ کا رد سکھاتے ہیں وہاں ان کی اخلاقی تربیت کریں۔ مندرجہ بالا سطور میں یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ علم الاخلاق علوم دینیہ میں شامل ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں مستقل مضمون کے طور پر اس کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ کتب فارسی جن میں اخلاقیات کا درس موجود ہے ہمارے عام مدارس سے فارسی کے دیس نکالا کے بعد ان کتب کی تدریس ختم ہوگئی کتب احادیث سے اخلاقیات پر احادیث کی تعلیم اگلی کلاسوں میں ہوتی ہے جبکہ ابتدائی کلاسوں کے طلباء کے لئے تربیت ضروری ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے اس پُر حکمت انداز کو اپنایا جائے تو فارغ التحصیل فاضل رضائے الٰہی کے جذبہ سے میدان عمل میں آئے گا کیونکہ تربیت کے وقت اس کی تربیت ہوتی ہے کہ فاضل کے سر پر دستار رکھنے اور سند اس کے ہاتھ میں تھمانے کے بعد اس کے لئے کسی تربیتی کورس میں شامل ہونا توہین کے مترادف ہوتا ہے لہٰذا تعلیمی دور میں ابتداء سے اور پھر ساتھ ساتھ اس کی اخلاقی تربیت لازم ہے۔

ابھی چند دن پہلے ایک دینی ادارے کا طالب علم ایک بس میں سوار ہوا راقم پہلے سے موجود تھا اس نے کہا مجھے کوئی نصیحت کیجئے، راقم نے کہا آپ کے لئے سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ اپنے اسباق پوری محنت اور دھیان سے پڑھیں اس نے کہا جب ہم مستقبل کی طرف دیکھتے ہیں تو اندھیرا نظر آتا ہے رزق حلال کے لئے کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ راقم نے اسے بتایا کہ ہمارے اسلاف اور خود ہمارے دور طالب علمی میں کبھی بھی اس چیز کی طرف توجہ نہیں ہوتی تھی کہ فراغت کے بعد کیا ہوگا۔ صرف اسباق کی طرف توجہ ہوتی تھی اور ہمارا ایمان ہے کہ **وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا**۔ زمین پر چلنے والے ہر چوپائے کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اور یہ درس تو ہم نے لوگوں کو دینا ہے اگر ہم حصول علم کے دوران مستقبل کے چکر میں پھنس گئے تو علم کے حصول میں انہماک کیسے ہوگا۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث کا درس کس قدر عام کرنے کی ضرورت ہے۔

جذبہ صادق سے حاصل کردہ علم کو لوگوں تک پہنچانا اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کے لئے سخت وعید کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من سئل عن علم فکتمه الجمه اللہ بلجام من نار یوم القیامة (سنن ابی داؤد، جلد ۲، ص ۱۵۹، کتاب العلم، باب کراہت۔۔۔ منع العلم)

جس شخص سے کسی علمی بات کے بارے میں پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

علماء فرماتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی کافر مسلمان ہونا چاہتا ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ اسلام کیا ہے اور دین کیا ہے میں نماز کیسے پڑھوں، اسی طرح کسی مسلمان کو کوئی مسئلہ درپیش ہے اور بتانے والا عالم اسے بتاتا نہیں تو اس کی یہ سزا ہے اور اگر وہ بتاتا ہے لیکن اس کے لئے مالی معاوضہ کی شرط رکھتا ہے تو یہ بھی علم کو چھپانا ہے۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ تقاریر اور تصانیف میں غیر ضروری یا کم ضروری باتوں پر زیادہ زور دیا جائے اور اسلام کے اصل خدوخال نیز اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ نہ ہو جس طرح آج کل ہو رہا ہے تو یہ بھی علم کو چھپانے کی ایک صورت ہے۔

لہٰذا علم کا حصول رضائے الٰہی کی خاطر ہو تو اس قسم کی تمام خرابیوں سے حفاظت ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے علم حاصل کرتا ہے اسی طرح اسی جذبہ سے تبلیغ کرتا ہے اور اہل اسلام اس کی خدمت کرتے ہیں تو اس کی شریعت میں اجازت ہے، گویا یہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی توفیق عطا فرمائے۔

❁ ❁ ❁

تحقیق الکلام فی اسباب الاختلاف بین علماء الاسلام

مولوی جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

جمال الدین مولوی گجرات کے معروف گاؤں کوٹھالہ شیخاں کے رہنے والے تھے۔ آپ نے دہلی اور اس کے مضافات میں طرز قدیم پر تعلیم حاصل کی۔ خیر آباد کے علماء سے معقولات میں مہارت پیدا کی اور ایک خاصہ عرصہ تک جامعہ نعمانیہ لاہور میں تدریس کی۔ علماء کے درمیان اختلاف کے موضوع پر تحقیق الکلام لکھی۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان نزاعی مسائل پر خامہ فرسائی کی اور اسلوب بلیغ کے ساتھ اہل سنت کے عقائد اور طرز استدلال کا استحکام بخشا۔ مولانا کے بعض مندرجات سے اختلاف ممکن ہے لیکن مجموعی لحاظ سے تحریر عالمانہ ہے۔ افادہ اور تحفظ کے خیال سے کتاب کو دلیل راہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں راہ راست کی ہدایت کی اور درود نازل ہو او پر حضور اکرم ﷺ کے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین اور آئمہ عظام رحمہم اللہ علیہم اجمعین پر جنہوں نے شریعت حقہ کی پورے طور پر تفسیر کی اور رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلے۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ گنہگار بندہ جمال الدین عرض گذار ہے کہ فی زمانہ علمائے اسلام کے درمیان مسائل دینی کے اندر بہت سے اختلافات واقع ہوگئے ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس کو حق و باطل میں تمیز کر کے حق کو پانا مشکل ہوگیا ہے۔ مثلاً بعض فرقے سابقین بھی صراطِ مستقیم سے دور ہوگئے ہیں۔ بعض نے احادیث صحیحہ سے بھی بالکل انکار کر دیا ہے وہ کسی ایک حدیث کو بھی نہیں مانتے بعض نے ختم نبوت کا انکار کر دیا ہے جو کہ اجماع اُمت کا انکار ہے اور یہ تمام گروہ قرآن مجید میں وہ تاویلات بعیدہ کرتے ہیں کہ فصیح اللسان اہل عرب ہرگز اس کلام سے ایسی باتوں اور ایسے مسائل کا استنباط نہیں کرتے۔ ذیل میں ہر ایک فرقے کا ایک ایک مسئلہ بطور نظیر لکھا جاتا ہے۔ مثلاً

> **کچھ لوگ اعمال ہی کو ایمان کھتے ھیں ان کے نزدیک عقائد کوئی چیز نھیں**

ا۔ قرآن مجید کے صاف لفظوں میں اللہ جل شانہ نے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف فرمائی ہے اور ان کو اچھے و منزہ لفظوں سے یاد فرمایا ہے۔ لہٰذا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بُرا کہنے والوں کو قرآن مجید سے کوئی سروکار نہیں۔

۲۔ احادیث کا انکار کرنے سے کسی شخص کو قرآن مجید کے معانی فہم میں نہیں آ سکتے اور قرآن مجید میں لتبین للناس آیا ہے اور بیان اور جس چیز کا بیان کیا جائے دونوں مغائر ہوتے ہیں۔ تو کوئی شخص بغیر حدیث کے قرآن مجید کی تفسیر نہیں کر سکتا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کا مطلب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتایا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں بتایا تو بعثت انبیاء اور کتب بے فائدہ ہیں۔ پس لامحالہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرآن مجید پورا پورا سکھایا۔ مثلاً صلوات خمسہ ہیں یہ حضور اقدس کے زمانہ سے لے کر آج تک ادا کی جاتی ہیں، کسی زمانے میں ان میں کمی بیشی نہیں ہوئی اور پھر اہل زبان عرب کا قاعدہ ہے کہ جزو بول کر کل مراد لیتے ہیں۔ جیسے "رقبہ" بول کر کل غلام مراد لیا جاتا ہے۔ تسبیح یا ذکر بول کر نماز مراد لیتے ہیں تو چاہے لفظ صلوٰۃ کا بعض جگہ نہ بھی ذکر کیا جائے تو بھی صلوٰۃ مراد ہوگی۔ مطابق مسلمہ قاعدہ مذکورہ کے جس کا انکار نہیں ہو سکتا اور آیت فسبحان اللہ حین تمسون (الآیہ) سے چار وقت کی نمازیں ثابت ہوتی ہیں اور آیت والصلوٰۃ الوسطیٰ کے ملانے سے پانچ نمازیں قطعاً ثابت ہو جاتی ہیں۔

۳۔ اور نبوت زمانًا بالاجماع ختم ہو چکی ہے اور جب نبوت ختم ہو چکی تو رسالت بطریق اولیٰ ختم ہو چکی کیونکہ نفی عام سے نفی خاص کی لازم آتی ہے اور لفظ نبی عرفاً توقیفی ہے اور بعد حضور اقدس ﷺ کے کسی کو ہم نبی نہیں کہہ سکتے۔ باقی رہا ظلی اور بروزی یہ سب وہمی الفاظ ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ من کل الوجوہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ خاتم الحقائق حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اس مسئلے کو اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں بالکل صاف کر دیا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک جو مجدد ہوا ہے وہ بالخصوص خاندان سادات سے ہوا ہے اور اس پر تاریخ شاہد ناطق ہے۔

باقی دو گروہ رہے جو مدعیان اہل سنت وجماعت ہیں۔ ان میں بھی افراط وتفریط ہے۔ ایک گروہ تو ولی زبان سے نبوت کا سرے سے ہی منکر ہے اور فقط قرآن مجید کی چند پیشین گوئیوں کا ہی قائل ومعترف ہے یہ صرف اعمال ہی کو ایمان کہتا ہے اس کے نزدیک عقائد کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں تطمئن قلوبھم بذکر اللہ اور نیز و قلبه مطمئن بالایمان اور و من یعمل من الصالحات و ھو مؤمن اور ایمان کی تعریف ہی یہ ہے۔ تصدیق قلبی اعمال شرائط ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ "بغیر اعتقاد کذب باری کے توحید ثابت نہیں ہوتی" اور "بغیر امکان نظیر کے قدرت عاجز ہو جاتی ہے" وغیرہ وغیرہ۔ یہ حال تو ایک گروہ کا ہے جو مختصراً بیان ہوا۔

اب دوسرے گروہ کی سنیئے، انہوں نے بھی غلو کیا اور چند مباح باتوں کو اہلسنت وجماعت کا معیار قرار دے لیا۔ جو نہ فرض ہیں نہ واجب۔ مثلاً وظیفہ "یا شیخ" کا پڑھنا۔ "قیام فی المیلاد" ضروری خیال کرنا اور "عرائس اولیاء کرام" وغیرہ۔ اس گروہ نے تزکیہ نفس کی بنیاد ان امور پر رکھی ہے۔ یہ ہر دو گروہ (خدا ان کو جزائے خیر دے) حد سے بڑھ گئے ہیں۔ یہ تو مختصر حقیقت ہے کلمہ گو گروہوں کی۔ ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے شریعت حقہ ودین حنیف وسنت نبوی ﷺ سب کا طریقہ صحیح چھوڑ دیا ہے۔ صرف چند خیالات اور رسومات کو مذہب قرار دے لیا ہے۔ اللہ جل شانہ ہم کو راہ راست کی ہدایت فرماوے۔ آمین۔

اب عرض یہ ہے کہ عقائد حقہ کے واسطے کتاب اللہ اور سنت نبویہ کافی ہیں۔ علم کلام صرف غیر اقوام کی مدافعت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں بخوبی تصریح فرما دی ہے۔

بندہ کے ناقص خیال میں اس افراط وتفریط کا باعث غیر کی غلامی کے سبب باہمی نا اتفاقی ہے۔ جس کا عظیم الشان قانون قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں: ان فرعون علافی الارض و جعل اھلھا شیعا یستضعف طائفة منھم (الایه) ترجمہ: "فرعون زمین میں بہت بڑھ گیا تھا اور وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہ کر دیا تھا اور ایک جماعت کو کمزور کرتا تھا ان میں سے۔" لہٰذا اس کی مدافعت کرنی مسلمانوں پر فرض ہے۔ بالاتفاق اس کی مدافعت پر توجہ کریں ورنہ قرآن مجید کی پاک تعلیم کا اپنے ہاتھوں خاتمہ کر بیٹھیں گے۔

ارکان اسلام کا کچھ ذکر: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حب دنیا ہرگز نہ تھی، وہ آخرت کو دنیا پر مقدم کیا کرتے تھے۔ رضا الٰہی کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عبادت میں اخلاص کرنے کی تعریف ہے۔ فروعی مسائل میں صحابہ کرام اختلاف کیا کرتے تھے مگر جب دلیل صحیح پیش ہو جائے ایک جانب سے تو دوسرا فریق فوراً تسلیم کر لیا کرتا تھا۔ ان میں ضدیت ہرگز نہ تھی اور بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا اختلاف رائے باعث اختلاف عمل نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جو خیر القرون ہیں انہیں کا یہی طریق رہا۔ اس کے بعد یہ طریق کم ہوتا چلا گیا۔ نفسانیت ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ ہمارے زمانے میں شریعت کا اقتدار بالکل کم ہو گیا اور احکام کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ متروک ہو گئے۔ علماء اور امراء سب حب دنیا میں غرق ہو گئے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔

آداب نماز: نماز دین کا ستون ہے۔ مخلصین کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور صدیقوں کی زینت ہے۔ مقربین کا تاج ہے اور مقام نماز کا مقام وصل ہے اور اس میں خدا کی کبریائی اور ہیبت اور تعظیم کا اظہار ہے اور بندہ کی عبودیت اور عاجزی اور فانی ہونے کا ثبوت ہے اور خدا سے سرگوشی اور روبرو کھڑا ہونا ہے اور غیروں سے منہ پھیرنا اور نماز کی خاطر اس کے اوقات کی تمیز اور سایہ اصلی کی پوری معرفت حاصل کرنا اور خالص نیت سے تکبیر کہنے کے بعد جو آفات باطنی خواہ کتنے بھی ہوں وہ مضر نہیں اور ہر ایک رکن کو پورے طور پر ادا کرنا۔ سلف صالحین نماز میں تخفیف کو اس لئے پسند کرتے تھے کہ وساوس اور خطرات کم آئیں۔ سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بڑھاپے میں نوافل اور اوراد ادا کیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ انہی کے سبب سے ابتدا میں قرب حاصل ہوا ہے انتہا میں کیوں چھوڑیں۔ تقرب الی بالنوافل نماز میں حضوری دل، حضور عقل اور عاجزی ان سب امور کا ہونا ضروری ہے۔ حضوری دل سے پردہ دور ہوتا ہے۔ حضوری عقل سے عذاب دور ہوتا ہے۔ عاجزی سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کما حقہ ارکان کے ادا کرنے سے ثواب موجود ہو جاتا ہے۔ ایک کھلم کھلا معیار سچی نماز پڑھنے کا یہ کہ مثلاً آدمی اچھے مکان میں ہو تو اس کو راحت معلوم ہوتی ہے جب دھوپ میں ہو تو اس کو گرمی محسوس ہوتی ہے اور اگر کوئی معمولی اپنا پیارا آدمی دیکھے تو چہرہ پر بشاشت آجاتی ہے اور جب کوئی مخالف دیکھے تو انسان کے چہرے میں غم کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ کل امور

جسمانیات اور وجدانیات میں سے ہیں پھر ضروری ہے کہ اس قادر مطلق وحدہٗ لاشریک کے روبرو خلوصِ نیت سے کھڑا ہو اور دو باتوں میں سے ایک کا تصور کرے۔ یا تو یہ کہ وہ خود خدا کو دیکھتا ہے اور اگر یہ مقام نصیب نہیں تو خیال کرے کہ خدا مجھے دیکھتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کی نماز حقیقی نماز نہ ہو اور اسی نماز کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ اس کے ماسوائے سب صورتاً نماز ہے حقیقتاً نماز نہیں۔ باقی وضو اور نماز کے متعلق جو مسائل ہیں وہ فقہاء نے بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں۔

> حضور دل سے پردہ دور ہوتا ہے اور حضور عقل سے عذاب دور ہوتا ہے

آداب زکوٰۃ: حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کل مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ابراہیم بن شیبان نے اعتراض کیا کہ اس میں تیرا کون امام ہے۔ جواب دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ وہ اپنا کل مال حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ! اللہ!! نصاب زکوٰۃ بخیلوں کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ دل کا غنا ہونا چاہیئے۔ مال کا غنا ضروری نہیں اور غنی آدمی کے اوپر چار چیزیں لازمی ہیں۔ مال حلال ہو نہ فخر کے لئے جمع کیا گیا ہو۔ اپنے اقربا پر حسنِ خلق سے سخاوت ہو۔ فقیر پر احسان ظاہر نہ ہو۔ باقی زکوٰۃ کے مسائل کتب فقہیہ میں کامل طور پر مذکور ہیں وہاں سے مطالعہ کریں۔

آداب روزہ: نفس کو اپنی تمام خواہشات سے بند کرنا اور کل اعضاء کا اپنی شہوت سے بند رہنا۔ یہ ہے حقیقت روزہ۔ روزہ میں طعام صاف ہو، دل کی رعایت کی جائے، ذکر اللہ ہمیشہ ہو، غذا کم ہو، اپنے روزہ کو تھوڑا خیال کرے اللہ سے مدد چاہے۔ کوئی قصور نہ کرے اور صوم داؤد علیہ السلام اختیار کرے یہ اعلیٰ درجے کا روزہ ہے۔ اگر کسی جماعت میں شیخ ہو تو خود روزہ میں اس کی اقتدا کرے۔ اگر وہ رکھے تو یہ بھی رکھے ورنہ نہیں۔ وہ ان کی بہتری خوب جانتا ہے۔ اس کے امر کی مخالفت نہ کرے۔ باقی مسائل روزہ کتب فقہ میں موجود ہیں۔

آداب حج: ایک گروہ صوفیوں کا جب حج کرتے ہیں تو اپنے اوقات کی حفاظت کرتے ہیں، حالات کی رعایت کرتے ہیں، سلامتی کو طلب کرتے ہیں، مصیبت اور مشقت اور بلا کی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسرا گروہ حقیقت کو حاصل کرتا ہے۔ زیارت روضہ اقدس ﷺ سے مشرف ہوتے ہیں، سر ننگے اور پاؤں ننگے سر کو اوپر نہیں کرتے ادبا نیچے رکھتے ہیں واسطے اجلال اور عظمت رسول ﷺ کے۔ ایک گروہ کامل توکل سے بیت اللہ کی سکونت اختیار کرتا ہے اور اس ٹکڑہ زمین کی شرافت اور فضیلت کے لئے کھانا نہیں کھاتے۔ پاؤں میں کانٹے وغیرہ چبھنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ سفر میں ان کا غرور ٹوٹ جاتا ہے، نماز روزہ وغیرہ عبادات میں کمی نہیں کرتے۔ اپنے دل کو توبہ سے دھو لیتے ہیں، جب طواف کرتے ہیں تو اللہ جل شانہ کا قول یاد کرتے ہیں و تری الملائکۃ حافین اور جب مقام ابراہیم میں نماز پڑھتے ہیں تو مقام عبودیت محضہ کو یاد کرتے ہیں کہ ہم نے وعدہ بلیٰ کا پورا کیا ہے۔ جب حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ انہوں نے قسموں کے ساتھ اللہ کی بیعت کی، اس کے بعد اپنے بقاء نفوس کی مراد کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جب صفا کی طرف آتے ہیں تو دل کو صاف کر لیتے ہیں میل کچیل سے۔ جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں تو نفس دشمن سے بھاگ جاتے ہیں، جب منیٰ میں جاتے ہیں تو اپنی تمام امیدیں پا لیتے ہیں، جب عرفات میں جاتے ہیں اپنے معروف کو پہچانتے ہیں اور اپنے حشر نشر اور قبور سے نکلنا جانتے ہیں اور اپنے آقا کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں، جب مزدلفہ میں جاتے ہیں تو خدا کی کبریائی اور ہیبت ان کے دل میں جم جاتی ہے، جب رمی جمار کرتے ہیں تو اپنی شہوات کو توڑ دیتے ہیں، جب مشعر الحرام میں ذکر کرتے ہیں تو تعظیم شعائر اللہ مراد ہوتی ہے۔ جب سر منڈواتے ہیں تو اپنے دل سے اپنی حمد و ثنا دور کر دیتے ہیں۔ جب قربانی کرتے ہیں تو پہلے اپنی خواہشات نفسانیہ کو ذبح کر لیتے ہیں، جب طواف زیارت کرتے ہیں اور اللہ کے پردوں کے ساتھ لٹکتے ہیں تو پھر کسی غیر سے ہرگز ہرگز نہیں لٹکتے۔ جب ایام تشریق میں وہاں ٹھہرتے ہیں تو سب چیز ان پر حلال ہو جاتی ہے۔ پس جو حرام ہے اس کو بھی حلال نہ کر لیں تاکہ مولا کریم کی مخالفت نہ ہو، یہ سب چونکہ عبادتیں تھیں اس لئے اب عبادت کی حقیقت کا بیان کیا جاتا ہے۔ فرائض اللہ کی ادائیگی اور محارم اللہ سے اجتناب۔ خدا کو ایک جاننا اور اس کے امر کی تعظیم کرنا، اس کی تقدیر پر راضی ہونا بندہ کے دل کا خدا کے حکم کے نیچے آرام پانا، جتنے برے خیالات دل میں ہوں جو دل کو مولا کے ذکر سے غافل کریں ان کو نکالنا اور یقین کرنا کہ جو میرے دل میں ہے اللہ جانتا ہے۔

تنبیہ: اس تنبیہ میں چند عقائد لکھے جاتے ہیں جن کی توضیح لازمی ہے۔ کئی مسائل کی صحت ان پر مبنی ہے اور ان سے غفلت کی وجہ سے آدمی مغالطے میں پڑ جاتا ہے اور ان کے نہ جاننے کی وجہ سے کئی علماء نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ خصوصاً وہ عقائد جن میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے باہمی اختلاف ہے۔ اور جو علم کلام کے رسائل درس میں ہیں۔ ان میں جو مسائل فلاسفہ کے داخل ہیں قطع نظر ان سے اشعری اور ماتریدی کے عقائد

میں تمیز نہیں لہٰذا ان عقائد کا درج کرنا لازمی ہے جسے ہم یہاں علامہ عبدالرحیم بن علی معروف بہ شیخ زادہ کی مشہور کتاب نظم الفرائد وجمع الفوائد سے نقل کرتے ہیں۔

نماز میں اللہ کی کبریائی، ہیبت اور تعظیم کا اظہار ہے

ا۔ وجوب کے کیا معنی ہیں؟ وجوب بالذات ثابت ہونا ایک چیز کا اپنی ذات میں ایسے طور سے کہ وہ ذات نہ ہونے کے قبول کرنے سے پاک ہو اور وجوب بالذات وہ ہے کہ اس کی حقیقت کے ثبوت میں غیر کو دخل نہ ہو۔ یہ معنی ہیں کہ ہونا ذات کا نفس وجوب یعنی اس ذات کا قیام خود بخود ہے غیر سے نہیں نکالی گئی۔ یہ مذہب ہے مشائخ حنفیہ کا، اور اشاعرہ کہتے ہیں کہ وجوب یہ ہے کہ ذات چاہنے والی ہو واسطے وجود اپنے کے تو واجب وہ ہے جو چاہے اس کی ذات اپنے وجود کو۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اجماع ہے اس بات پر کہ واجب کی ذات وہ ہے کہ عقل میں نہ متصور ہو سکے نہ ہونا اس کا۔ یہ اس بات کو واجب کرتا ہے کہ نہیں پہلے آتا اس کو عدم اور نہیں لاحق ہوتا اس کو عدم وجوباً۔ جب ثابت ہوا کہ وجود ذات کے اوپر زائد نہیں بالکل اس کا عین ہے تو پھر اس میں اقتضا کیسے؟ اگر اقتضا ہو تو لازم آتا ہے تقدم وجود کا علیٰ نفسہ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مفہوم اگر اس کے واسطے حقیقت ایسی ہو کہ اس کا ثبوت بلا دخل غیر کے ضروری ہے تو واجب۔ اگر نہ تو واجب ہو گا نہ ہونا اس کا واسطے ذات مفہوم کے تو یہ ممتنع ہے اگر اس طرح نہ ہو تو یہ ممکن ہے۔ پہلے کو واجب بالذات کہتے ہیں۔ ثانی کو ممتنع بالذات اور ثالث کو ممکن بالذات۔ یہی حقیقت ہے وجوب کی۔

۲۔ مسئلہ: جب وجوب عین ذات کا ہے زائد نہیں اور نہ بالکل عدمی ہے نہ اعتباری اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وجوب پختہ کرتا ہے وجود کو اگر وجوب عدمی تو لازم آتا ہے کہ ایک دو نقیضوں سے سبب ہو واسطے پختہ کرنے دوسرے کے اور یہ محال ہے اور دوسرا وجوب مخالف ہے لاوجوب کو اور لاوجوب کے نیچے یا ممتنع داخل ہے یا ممکن خاص۔ ممتنع اور ممکن خاص جائز ہے کہ دونوں معدوم ہوں تو اس وقت معدوم کو بھی لاوجوب کہیں گے۔ جب لاوجوب معدوم ہوا تو وجوب ضرور وجود ہوا اور تیز وجوب نسبت نہیں درمیان حقیقت اور وجود کے ورنہ شرکت لازم آتی ہے اور کوئی تسلسل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وجوب الوجوب نفس ہے وجود کے بعد اوپر جو مراتب ہوں گے وہ سب اعتباری ہوں گے اور تسلسل امور اعتباریہ میں جائز ہیں۔ اگر وجوب بالکل عدمی ہو خالص واقع میں تو کوئی چیز خارج ہے واجب نہیں ہو سکتی اور اس سے لازم آتی ہے نفی واجب الوجود کی اور یہ باطل ہے۔

۳۔ وجود ذات واجب الوجود پر زائد نہیں: اگر وجود زائد ہو قائم ساتھ ذات کے تو لازم آتا ہے کہ وجود کے لئے ایک اور وجود ہو پھر لازم آئے گا دور یا تسلسل اور یہ دونوں باطل ہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ وجود چیز کا عین اس کا ہوتا ہے تو اس وجود سے مراد موجود ہے جس طرح کہتے ہیں کہ مفہوم موجود کا وہی حقیقت ہے۔ یا جیسا کہ کہتے ہیں وجود انسان کا عین ہے ہونا اس کا حیوان ناطق۔ تو حیوان ناطق موجود ہے نہ وجود۔

۴۔ بقاء وجود دائمی ہے نہ زائد اوپر وجود کے: اگر بقاء نفس وجود نہ ہو زائد ہو تو پھر بقا کے واسطے بقا ہو گا تو تسلسل لازم آئے گا اور یہ باطل ہے کیونکہ بقا سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ ہونا چیز کا موجود ہمیشہ۔ کوئی زمانے اور غیر زمانے کا یہاں لحاظ نہیں اور نہ بقا کا زمانے سے کوئی تعلق ہے۔

۵۔ قدرت: ایک ازلی صفت ہے، خدا کے لئے ارادے کی موافقت کے متعلق ہوتی ہے۔ اس سے فعل کا ہونا صحیح ہوتا ہے اور نہ ہونے کی قدرت ہوتی ہے۔ یہی مذہب ہے حنفیہ کا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ فعل پر قادر ہے۔ کبھی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا اور وہ قادر تھا کہ ہزار سورج اور ہزار چاند آسمان پر پیدا کرے۔ مگر اس نے نہیں کیے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کا پیدا کرنے والا ہونا اور بات ہے اور قادر ہونا دوسری بات ہے۔ یعنی قادر ہونا اور پیدا کرنا دونوں باتیں جدا جدا ہیں۔ تو در حقیقت بات یہ ہے کہ اس کا پیدا کرنے کا اثر مخلوق میں اوپر طریقے وجوب کے ہیں۔ یعنی جب اللہ نے پیدا کیا تو وجود مخلوق کا ضروری ہے ورنہ عجز لازم آتا ہے لیکن اس صفت کا تعلق خدا کے اختیار سے بطور جواز کے ہے۔ یعنی جب چاہے پیدا کرے جب نہ چاہے تو نہ پیدا کرے اور قدرت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اثر قدرت کا جائز طور کے اوپر ہے اور حصول قدرت کا واسطے اللہ کے اوپر طریقے وجوب کے ہیں۔ تو صفت پیدائش میں دو لحاظ ہیں۔ ایک وجوبی اور ایک جوازی۔ یہ فرق ہے درمیان قدرت اور تخلیق کے۔ صفت تخلیق مخالف ہے قدرت کے واسطے۔ قدرت کے بلحاظ ہونے تعلق دو طرفوں سے۔ یعنی کرنے اور نہ کرنے سے۔

۶۔ صفت ارادہ: میں محبت نہیں نہ رضا۔ ارادہ دونوں سے عام ہے۔ لقولہ تعالیٰ ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر. واللہ لا یحب الفساد۔ فساد اور کفر ارادہ الٰہی سے ہوتے ہیں۔ بلاشبہ مگر ان میں محبت اور رضا نہیں۔ باقی رہا تعلق ارادہ کا محبت اور رضا سے۔ یہ بعبہ غلب کے

ہے نہ بوجہ لزوم کے جیسا کہ انسان مکروہ امر کا ارادہ کرتا ہے مثل دوا وغیرہ کی اور کبھی اچھی چیز کا ارادہ نہیں کرتا کسی خلل کی وجہ سے۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ کفر اور معاصی قضائے الٰہی سے ہوتے ہیں رضا بالقضا واجب ہے۔ اسی طرح رضا بالکفر واجب ہوئی یہ تو باطل ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ کفر قضا کیا گیا ہے نہ قضا ہے تو رضا بالقضا اور ہے اور مقضی اسم مفعول امر دیگر۔ تو اللہ جل شانہ کی رضا جو پیدا کرنے کفر کی ہوئی وہ محض انسان کے بُرے فعل کی وجہ سے ہے اور بس۔

۷۔ **صفتِ سمع:** ان اشیاء سے متعلق ہوتی ہے جو سنی جائیں۔ اسی طرح بصر بھی یہ امر کتاب اور سنت نبویہ سے ثابت ہے۔ معدوم ممتنع۔ اس سے خدا کی رویہ اتفاقاً متعلق نہیں ہوتی معدوم ممکن میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ جہاں پہلے وجود کے دیکھا جاتا ہے یا نہیں۔ کل علماء سمرقند اور بخارا کا فتویٰ ہے کہ نہیں نظر آتا۔ یہ نقلاً ہے اور عقلاً مثلاً سفید بال ان کی سیاہی اگر دیکھی جائے تو اگر اسی محل میں ہو تو اجتماع نقیضین ہے۔ اگر غیر محل میں دیکھی جائے تو محل سیاہ ہوا۔ یہ سفید محل اگر دوسرے محل میں نظر آئے تو بحث سے خارج ہے۔

۸۔ **قرآن مجید:** اللہ کا کلام ہے۔ اس کا ظہور قولاً بلا کیفیت ہوا ہے۔ اللہ نے اپنے قول پر اطلاع دی۔ اطلاع حدوث سے، یہ نہیں لازم آتا کہ جس چیز پر اطلاع ہوئی وہ بھی حادث ہو۔ اللہ جل شانہ جب اور جس طرح چاہیں ہمیشہ متکلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا اور فرعون اور اس کے غرق کا ذکر۔ یہ الفاظ ہیں۔ اخبارات جو دالہ ہیں اس کی صفت قدیمہ پر اور قرآن مجید کے معانی میں کثیرہ اور تعدد ہے۔ اس کی دلیل قول اللہ کا ولو ان ما فی الارض (الآیہ) قل لو کان البحر مدادا (الآیہ) ان سے صاف تعدد معانی ثابت ہے۔ تاویل کی گنجائش نہیں۔ کلام خدا کی صفت ازلی ہے لیکن ہر وقت کلام کرتا ہے یا نہیں۔ تو ہر وقت ضروری نہیں کلام کرنا۔ ایک دفعہ اوامر و نواہی استفہامات سنا دیئے لیکن عارض ہونا نسبت کلام کا یہ خاص ہے واسطے کلام قدیم کے ساتھ سنا دینے خاص کے بغیر واسطے عادی کے۔ اس میں شک نہیں کہ سنانے کے ختم ہونے کے ساتھ یہ اضافت بھی ختم ہو جائے گی۔

تکوین خدا کی صفت ازلی واقعی ہے نہ اعتباری

فائدہ: لفظ معنیٰ کا کبھی تو مفہوم پر بولا جاتا ہے اور کبھی ایک چیز جو غیر کے ساتھ قائم ہو اس پر بولا جاتا ہے تو قرآن مجید کے الفاظ حقیقت میں یہ بھی کلام اللہ ہیں اور یہ بھی قدیم ہیں اور جو ان میں ترتیب الفاظ اور حروف میں پائی جاتی ہے یہ ہمارے تلفظ میں ہے۔ یہ ہمارا تلفظ حادث ہے نہ ملفوظ۔

۹۔ **کلام نفسی نہیں سنی جاتی:** اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کہ انہوں نے کلام نفسی کو سنا تھا یا نہیں۔ تو حنفیہ اس میں یہ کہتے ہیں کہ درخت میں اللہ جل شانہ نے ایک آواز پیدا کر دیا تھا وہ آواز محدث تھا نہ کہ کلام نفسی ازلی اور دلیل اس کی یہ ہے فلما راھا نودی یموسی تو اس ندا کو نار کے دیکھنے کے اوپر مترتب کیا اور معلوم ہوا یہ سننا کلام لفظی کا تھا بغیر کسی واسطے فرشتے یا کتاب کے اور اس بات کو پختہ کرتی ہے آیت کریمہ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الآیہ کیونکہ وحی کے ذریعہ جو کلام ہوتی ہے اس میں سماع داخل نہیں اور کلام جو بذریعہ فرشتے کے ہوتی ہے اس میں فرشتے کی آواز ہوتی ہے نہ کہ خدا کی آواز اور جو کلام پردے کے پیچھے سے ہوتی ہے وہ آواز کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو آواز سنا گیا وہ دال علی الکلام ہے نہ نفس کلام۔

۱۰۔ **تکوین خدا کی صفت ازلی واقعی ہے نہ اعتباری:** اور یہ اتفاقی بات ہے اور یہ عقل اور نقل کا فیصلہ ہے کہ اللہ جل شانہ پیدا کرنے والا ہے جہان کا تو ضرور پیدا کرنا اس کی صفت ہوگی جو قائم ہوگی ساتھ اس کے۔ کیونکہ محال ہے وجود اثر کا سوا صفت کے کہ جس کے ساتھ اثر حاصل ہوتا ہے۔ تو جو خدا کی وصف ہو پیدا کرنے مخلوقات میں وہ شروع ہے تکوین کا اور قدرت جو خدا کی صفت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پیدا ہونا اثر کا تو تکوین خاص ہوئی قدرت سے اور جو شروع تکوین کا ہے وہ چیز کو وجود میں لاتا ہے کیونکہ وہ چیز کے وجود کو چاہتا ہے اور قدرت چیز کے وجود کو بالفعل نہیں چاہتی تو شروع تکوین صفت ازلی ہوئی تو اب متعلق قدرت کا اس چیز کے پیدا کرنے جواز کو چاہتا ہے اور متعلق تکوین کا اس کے پیدا ہونے کے وجوب کو چاہتا ہے۔ وجوب بھی یہاں بمعنی جواز کے ہے تو صفات خدا سب قدیم ہیں اور افعال اس کے حادث ہیں۔

۱۱۔ **چیزیں متعلق ساتھ امر کن کے ہوتی ہیں۔** حقیقت یہ ہے کہ وجود چیزوں کا امر کن سے متعلق نہیں بلکہ وہ خدا کی صفت تکوین کے متعلق ہے۔ تو کن سے مراد ہے جلدی اور سہولت سے چیزوں کا پیدا ہو جانا اور یہ جو اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے اذا اراد شیا ان یقول لہ کن فیکون یہ کلمہ حقیقت کے طور پر بولا گیا ہے اس میں کوئی تشبیہ وغیرہ نہیں خدا کی صفت میں۔

تقدیر میں بحث کرنا منع ہے کیونکہ یہ اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے

۱۲۔ اسم عین مسمّی کا ہوتا ہے: خارج کے لحاظ سے نہ معنوں کے لحاظ سے کیونکہ چیز کا نام جو ہے وہ اس لفظ کا مدلول ہوتا ہے نہ کہ وہ خود لفظ۔ اگر بعینہ وہ لفظ مراد ہو تو وہ اسم مسمّی کی خبر نہ واقعہ ہو سکے حالانکہ واقعہ ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ اسم مسمّی کا عین ہے۔ اگر اللہ کا اسم غیر اللہ کا ہو تو توحید اسم کی ثابت ہوئی نہ ذات کی اللہ جل شانہ کی۔

۱۳۔ قدر: وہ خدا کا ایک حد مقرر کرنا ہے ہر چیز کی ازل میں جیسی کہ وہ چیز وجود ہو خارج میں اچھی ہو یا بری نفع دینے والی ہو یا ضرر دینے والی۔ جو اس کو گھیر لیتا ہے زمان اور مکان سے۔

قضا فعل کا نام ہے ساتھ زیادہ ہونے احکام کے۔ یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے قول جل شانہ کا و خلق کل شئی فقدرہ تقدیراً ۔ تو اس کے کیا معنی ہوئے کہ اندازہ لگایا ہر چیز کا اندازہ لگانا جو موافق ہے حکمت کے پھر پیدا کیا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے "کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموت والارض بخمسین الف سنۃ" تو معنی اس کے یہ ہیں کہ ان کے مقدار کو معین کیا پہلے ان کے پیدا کرنے کے پھر پیدا کیا اور لغت میں قدر کے معنی ہیں مقدار کا گھیر لینا اور قضا کے معنی ہیں کارگیری کرنی۔ اور بعض حدیثوں میں جو آیا ہے قضا علیھم اس کے معنی حکم کے ہیں جیسے کہ قرآن مجید میں آیا و قضا ربک ان لا تعبدوا الآیہ اور جو بعض اقوال صحابہ میں القدر بحر آیا ہے وہ صرف تشبیہ ہے۔ جیسا کہ ایک ذہنی چیز کی تشبیہ ایک خارجی سے دی جاتی ہے۔

تنبیہ: مسئلہ۔ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ تقدیر میں بحث کرنی منع ہے کیونکہ یہ خدا کے بھیدوں سے بھید ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر کے اسرار میں بحث کرنا اور زیادہ غور و خوض کرنا یہ ذریعہ ہلاکت ہے کیونکہ اس کے اوپر کوئی فرشتہ اور کوئی نبی اطلاع نہیں دیا گیا اور نفس تقدیر کا مفہوم سمجھنا اور اس کے اوپر ایمان لانا۔ یہ ایمان کی جزو لاینفک ہے۔

مسئلہ: متشابہات کی تاویل میں صحابہ کرام سے لے کر آج تک اختلاف چلا آ رہا ہے اور آج تک کسی نے ایک دوسرے کو برا نہیں کہا۔ کیونکہ اجتہاد میں دونوں کو گنجائش تھی۔ معنے توفیق۔ سہولت اور مدد کو کہتے ہیں۔ یہی مذہب ہے علم الہدٰ سے ابو منصور ماتریدی کا۔

مسئلہ: تکلیف مالا یطاق حنفیوں کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جو امر طاقت سے باہر ہے یا تو وہ محال لذاتہٖ ہے جیسا کہ حقیقتوں کا بدل جانا۔ مثلاً انسان کا گدھا ہو جانا اس کی تکلیف بالاتفاق ناجائز ہے۔ یا وہ محال لغیرہٖ ہوگا اور لذاتہٖ ہو سکتا ہے لیکن انسان سے اس کا وقوع نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی شرط نہیں یا اس کے وجود میں کوئی مانع ہے۔ اس دوسرے امر میں اختلاف ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا۔ ماتریدیہ کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ اس واسطے کہ تکلیف اس چیز میں دی جاتی ہے کہ جس میں اگر وہ امر کیا جائے تو ثواب ہو اور اگر نہ کیا جائے تو عذاب ہو۔ تو یہ اس امر میں ہی ہو سکتا ہے جس کا بجالانا ممکن ہو اور یہی معنی ہیں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کے اور جو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے لا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ اس کا بھی یہی معنی ہے اور یہ جو فرشتوں کو کہا انبئونی باسماء ھٰؤلآء اس امر سے ان کی عاجزی کا اظہار مقصود تھا نہ یہ کہ وہ نہ بتلائیں۔

۱۴۔ خدا کے فعلوں میں حکمت لازم ہے یا نہیں: حنفیوں کے نزدیک لازم ہے۔ اگر خدا کے فعل سے بطور فضل کے حکمت جدا ہو تو لازم آتا ہے خدا کے فعلوں کا بے فائدہ ہونا اور یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک حکمت انسان کے عقل میں بھی آ جائے۔ اسی واسطے ماتریدیہ کہتے ہیں کہ نبیوں کا بھیجنا خدا کے اوپر واجب ہے۔ حکمت کے لحاظ سے نہ بطور اس کی ذات اور قدرت کے۔ حکمت کے معنی کیا ہیں؟ پختہ ہونا عمل کا۔ اور یہ صفت ازلی ہے۔ اللہ کی اور دلیل اس پر یہ ہے کہ حکمت لازم ہے تکوین کو۔ جب منشائے تکوین ازلی ہے تو حکمت ضرور ازلی ہوگی۔ پس ضرور خدا کے افعال محکام ہوں گے۔

خُلف بالوعید جائز ہے یا ناجائز: حنفیہ کے نزدیک جیسا خُلف بالوعد منع ہے ایسا ہی خُلف بالوعید منع ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خلف بالوعید قول کا بدلا دینا ہے اور اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے ما یبدل القول لدی اور نیز لازم آتا ہے جواز جھوٹ کا اوپر اللہ کے اور اس پر اتفاق ہے کہ اللہ جھوٹ سے اور اس کی خبر دینے سے پاک ہے۔ باقی جتنی آیات ہیں وعید کے متعلق ہیں جیسا کہ و من یقتل مؤمناً متعمداً اور و من یعمل سوءً ا یجز بہ، الیوم تجزیٰ کل نفس. و من یعمل مثقال ذرۃ. ان سب آیات عامہ سے گنہگار خاص کیا گیا باقی آیات عفو سے۔ جب گنہگار خاص کیا گیا ان آیات عفو سے تو خلف بالوعید اللہ پر نقص نہیں شمار کیا جائے گا۔ صفات باری میں امام رازی کہتے

ہیں اگر خلف بالوعید کرم کی وجہ سے جائز رکھا جائے گا تو قصص اور اخبارات میں مصلحت کی وجہ سے جائز ہونا چاہیئے اور اس طرح کل قرآن مجید اور شریعت مطعون ہو جائے گی۔

(اب اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امکان کذب باری کی تاویل ساتھ خلف بالوعید کے مغالطہ ہے یا اشعری اور ماتریدی کے مذہب میں فرق نہ کرنے کا نتیجہ ہے)۔ کہ خدا قبح سے موصوف ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ تو صاف بات ہے کہ خدا قبیح کو پیدا تو کرتا ہے، اس واسطے کہ اگر حکمت الٰہیہ چاہتی ہے کہ نیکی کرنے والے اور برائی کرنے والے میں فرق ہے اور جو خلاف حکمت کے ہو وہ اللہ کے اوپر محال ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ کے واسطے تصرف ہے لیکن طریقہ حکمت پر اور یہ جو کہتے ہیں کہ نبیوں کو اللہ ہمیشہ آگ میں رکھ سکتا ہے اور کفار کو ہمیشہ بہشت میں تو یہ قبیح ہے۔ لہٰذا اللہ جل شانہ اس کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔

۱۵۔ کفر سے معافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ کفر سے معافی عقلاً ناجائز ہے اور کفر لذاتہٖ قبیح ہے اور کافر کو خدا کی حکمت چاہتی ہے کہ ضرور عذاب میں ہو اور عذاب اس کو لازم ہو اور حکمت میں ہرگز اس کی معافی نہیں۔ باقی آیۃ کریمہ ان تعذبھم فانھم عبادک اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تو ان کا خاتمہ کفر کے اوپر کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو عذاب دے اور اگر اپنی توفیق سے کفر سے نکال دے اور ایمان کی ہدایت عطا کرے تو تو غفور رحیم ہے۔ حسن اور قبح عقلی ہیں یا نہیں۔ تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ حسن اور قبح کے تین معنی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جو چیز صفت کمال ہو وہ حسن ہے اور جو چیز اس میں صفت نقصان ہو وہ قبیح۔ دوسرا معنی جو چیز غرض کے موافق ہو وہ حسن اور جو چیز غرض کے موافق نہ ہو وہ قبیح۔ تو بے شک یہ دونوں معنوں میں قبح عقلی ہے اس میں شرع کا کوئی دخل نہیں۔ تیسرے معنے جس چیز کے ساتھ

اللہ جھوٹ سے اور اس کی خبر دینے سے پاک ہے

تعریف کا تعلق ہو دنیا میں اور ثواب قیامت میں یہ حسن ہے اور جس چیز کے ساتھ تعلق ہو برائی کا دنیا میں اور عذاب ہو آخرت میں وہ قبیح ہے تو ان تیسرے معنے کے لحاظ سے خدا کے افعال کا داخل کرنا جائز نہیں۔ تو صرف جھگڑا اس حسن اور قبح میں ہے جو تعریف اور برائی دنیا میں ہے۔ یہ دونوں حنفیوں کے نزدیک عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ جو پہلے نبی خبر دیتا ہے اس کی تصدیق عقلاً واجب ہے۔ اگر شرعاً اس کی تصدیق واجب ہو تو دور یا تسلسل لازم آتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بعض فعل ہمارے عقلاً واجب ہیں اور جو عقلاً واجب ہو وہ حسن عقلاً ہوتا ہے کیونکہ حسن عقلی اس کو کہتے ہیں کہ اس کا فاعل عقلاً محمود ہو اور واجب عقلی وہ ہے کہ اس کا فاعل کرنے پر محمود ہو اور نہ کرنے پر مذموم ہو۔ عقلاً تو ثابت ہوا کہ جو واجب عقلی ہے وہ حسن عقلی ہے تو لازم آیا کہ نبی کی تصدیق نہ کرنی عقلاً حرام ہے۔ تو قبیح عقلی ہوئی اور نبی کی تصدیق کا وجوب یہ موقوف ہے اس بات کے اوپر کہ اس کا جھوٹا ہونا حرام ہے۔ کیونکہ اگر نبی کا جھوٹا ہونا جائز ہو تو اس کی تصدیق واجب نہ ہو اور نبی جھوٹا ہونا محال عقلی ہے۔ اگر شرعی ہو تو پھر دور اور تسلسل لازم آتا ہے۔ تو حرام عقلی قبح عقلی کو لازم پکڑتا ہے۔ تو اب اس سے لازم آیا کہ نبی کی تصدیق عقلاً واجب ہے اور نبی کے اوپر کذب حرام ہے۔ وہ کذب سے من کل الوجوہ پاک ہے تو تصدیق نبی کی حسن عقلی ہوئی اور کذب قبیح ہے عقلاً کیونکہ جو واجب عقلاً ہے وہ حسن عقلاً ہے اور حرام عقلاً ہے وہ قبیح عقلاً ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض افعال ہمارے قبیح ہیں عقلاً اور بعض حسن ہیں عقلاً۔ اسی طرح افعال اللہ کے حسن اور قبح لذاتہٖ مختلف ہوتے ہیں بسبب مضاف الیہ کے اور حسن اور قبح لذاتہٖ یہ انواع ہیں نہ کہ خود جنس۔ ہر نوع کو اس کی خصوصیت کی وجہ سے جو صفت حاصل ہوتی ہے وہ لازم ہوتی ہے۔ جیسے کہ مارنا واسطے ادب سکھلانے اور شکر نعمت دینے والے کا یہ حسن لذاتہٖ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ حسن اور قبح بعض جگہ میں ذاتی نہ ہوں تو ہر جگہ ہی ذاتی نہ ہوں اور اخبارات میں اشارہ طرف اس چیز کی ہوتا ہے جس چیز سے خبر دی جائے اور جیسا کہ اشارہ ناقص ہے اپنے نفس سے اسی طرح حکم جس پر خبر مشتمل ہے وہ بھی ناقص ہے نفس خبر سے کیونکہ حقیقت خبر تو صرف یہ ہے کہ مبتدا اور خبر کے درمیان جو تعلق ہے اس سے حکایت کرنا اور وہ محکی عنہ واقعہ میں معین ہو کوئی لحاظ نہیں حکایت کا۔ اللہ پر ایمان عقل سے واجب ہے۔ حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ انبیاء کو نہ بھیجے تو بھی اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ عقل سے اس کے وجود کی معرفت اور توحید سے اس کا متصف ہونا ساتھ صفات کمالیہ کے وہ جہان کا پیدا کرنے والا ہے۔ دلیل حنفیہ کی ان انذر قومک من قبل ان یاتیھم عذاب۔ ایمان لانا آنے انبیاء پر ضروری نہیں ہے ورنہ ان کو پہلے آنے انبیاء کے عذاب نہ دیا جاتا جب خوف دیا گیا تو معلوم ہوا کہ حجت ان پر لازم ہے اور اللہ ان کو ترک توحید پر عذاب دے گا چاہے نبی نہ بھی بھیجے۔ اگر خدا کی ذات اور صفات کی معرفت رسول پر موقوف ہو تو تمام خلقت پر معرفت میں احسان رسول کا ہو گا نہ اللہ کا۔ حالانکہ عقل اور توفیق اللہ نے عطا کی ہے یہ دونوں

شرع سے ثابت نہیں البتہ حکم کرنا کہ احسان حسن ہے اور کفر قبیح ہے یہ سب عقلاء میں مشترک ہے یہ شرع پر موقوف نہیں اور نہ عادت اور عرف اور نہ کسی فرض کی وجہ سے بلکہ یہ حسن اور قبح فعل کی ذات میں ہوتا ہے اور حصول عقل سے ثبوت شرع اور تصدیق انبیاء عقل سے ہوتی ہے باقی آیہ کریمہ و ما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا اس سے عذاب بیخ کنی کا مراد ہے یا آیت ایسے اعمال پر محمول ہے جو بغیر شرع ثابت نہیں ہوتے اور عقل اجمالی حجت ہے انبیاء تفصیل کرتے ہیں۔ آیت کریمہ لئلا یکون للناس علیکم حجة بعد الرسل نکرہ بعد نفی مفید عموم ہے یعنی تاکہ من کل الوجوہ کوئی حجت نہ رہے یہ جمیع افراد دلیل کو شامل ہے جس میں عقل بھی ہے۔ عاقل کو تنبیہ نہ کی تو غافل ہو جائے گا۔ پس ثابت ہوا پہلے نبی کے آنے کے بعض احکام میں عقل حجت ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ عقل معتبر ہے مگر ارشاد اور تنبیہ اس کی مؤید ہیں جس آدمی کو کسی نبی کی دعوت پہنچ گئی پھر اس نے کفر پر اصرار کیا وہ ناری ہے۔

اصل میں عقل معتبر ہے مگر ارشاد اور تنبیہ اس کی مؤید ہے

ایمان تصدیق قلبی اور اقرار زبان دونوں کا نام ہے۔ اقرار خود بھی جزو ایمان ہے کیونکہ لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں۔ یہ جیسے دل سے ہوتی ہے ایسا ہی زبان سے اس واسطے کہ اللہ نے منکر ضدی کی جیسی برائی کی ہے جاہل قاصر کی ایسی بیان نہیں کی۔ اگر اقرار رکن ایمان نہ ہوتا تو قادر ضدی کی برائی نہ کی جاتی۔ حدیث شریف امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ تصدیق رکن اصلی ہے اور اقرار اس کے تابع ہے۔ حالت جبر میں ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے بعض آیات میں اس کو خاص کیا نہ یہ کہ اقرار رکن نہیں اور تصدیق ایمان میں جو معتبر ہے وہ یقین کرنا اللہ کے وجود سے نبوۃ محمد رسول اللہ ﷺ سے اور اختیار اس میں شرط ہے۔ مراد باب ایمان میں اہل منطق کی تصدیق نہیں کیونکہ وہ کیفیات نفسانیہ میں سے ہے نہ افعال اختیاریہ سے کہ مقلد کا ایمان معتبر ہے یا نہیں۔ جو شخص ارکان دین کے اجمالاً سمجھ لے اس کا ایمان صحیح ہے۔ توحید۔ نبوت۔ قیامت وغیرہ۔ یہی مذہب ہے امام اعظم اور آپ کے شاگردوں رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک مسئلہ کی دلیل قطعی معلوم کی جائے۔ البتہ جس مسلمان کو بہت سی عمر ملے پھر اس نے مسائل دینیہ کی دلیل تلاش کرنے کی کوشش نہ کی تو اس کا ایمان بعض کے نزدیک صحیح نہیں اور دلیل حنفیہ کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہؓ اور تابعین نے دیہاتیوں کا ایمان قبول کیا۔ حالانکہ وہ لوگ دلیل اور فکر سے بے بہرہ ہوتے تھے۔ اگر دلیل کا معلوم کرنا صحت ایمان کی شرط ہوتا تو وہ ہرگز نہ چھوڑتے حالانکہ انہیں تعلیم دلائل کی توجہ ان کو نہیں دلائی اور حدیث شریف میں آیا ہے اور اتفاق امت کا بھی اس کے اوپر ہے کہ اس امت کے عام لوگ وسط بہشت میں ہونگے۔ بلاشبہ عوام الناس دلائل سے جاہل ہوتے ہیں کیونکہ توحید اور خدا کا قدیم ہونا اور مخلوقات کا حادث ہونا اور خدا مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ سب باتیں فطرتی ہیں انہیں ہر شخص جانتا ہے۔

کیا دلائل نقلیہ یقین کا فائدہ دیتی ہے یا نہیں: حنفیہ کا مذہب ہے، کہ بعض دلائل نقلیہ یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ دیکھو! قرآن مجید میں آیا ہے افمن کان علی بینة من ربه ویتلوه شاهد منه آیت کریمہ میں دلیل نقلی کی شہادت کو دلیل عقلی کے موید پیش کیا اور جو الفاظ مشہور مستعمل ہیں حضور اقدس ﷺ کے زمانے سے لیکر آج تک ان سے جو معنے لئے جاتے ہیں۔ موافق قواعد عربیہ کے وہ بطور تواتر کے ثابت ہو گئے ہیں جیسا کہ لفظ آسمان کا اور زمین کا اب جب قواعد عربیہ ان کے ساتھ ملائے جائیں تو یہ قرائن متواترہ ہیں کہ ان الفاظ کے یہی معنے ہیں۔ جیسا کہ نماز ہے، روزہ ہے، قیامت وغیرہ وغیرہ۔ (اس سے معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کا معنے جو اجماعی ہے اس کے برخلاف کوئی معنے قابل تسلیم نہیں ہوسکتا محض دلیل عقلی پر شریعت کے دارو مدار قائم کرنے میں مسائل اعتقادیہ اور عملیہ دونوں میں یہ بدعت اور گمراہی ہے اور یہی مذہب ہے صوفیائے کرام کا، سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں'' وہ شخص جس کے قول و فعل قرآن مجید اور حدیث کے مطابق نہ ہوں اس کو دفتر رجال میں مت لکھو''

ایمان غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ ایمان توفیق اور ہدایت سے حاصل ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور یہ سب کچھ صفت تکوین کا ثمرہ ہے۔ تکوین غیر مخلوق ہے لہذا ایمان بھی غیر مخلوق ہوگا۔ اسی واسطے بعض آئمہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں جو شخص ایمان کو مخلوق کہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور پہلے زمانہ میں اس مسئلہ کے اوپر اتفاق ہوا۔ اسی مسئلہ کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بخارا سے نکالا گیا۔ کیا نیک بختی اور بدبختی بدل سکتی ہیں یا نہیں تو حنفیہ کے نزدیک۔ سعید مسلمان کو کہتے ہیں اور شقی کافر کو کہتے ہیں۔ تو سعید بدبخت ہوسکتا ہے اور شقی نیک بخت ہوسکتا ہے۔ دلیل اس کی قول اللہ جل شانہ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے اسلام سے جو شقاوت تھی وہ

غفران سے دور ہوگئی۔ باقی جو حدیث شریف میں آیا ہے السعید فی بطن امہ و الشقی فی بطن امہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خاتمہ پر دارومدار ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ سعید ہے اور جس کا کفر پر ہوا وہ شقی ہے۔

کیا مذکر ہونا شرط ہے واسطے نبوۃ کے یا نہیں: نبوت کے واسطے حنفیہ کے نزدیک مذکر ہونا شرط ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم تو رسالت کا رجال میں حصر کیا ہے تو جب رجل مطلق بولا جائے بغیر قید کے تو انسان مراد ہوتا ہے نہ فرشتہ جن اور عورت اور یہ جو آیا ہے واو حینا الیٰ ام موسیٰ یہاں الہام مراد ہے جیسا کہ واو حیٰ ربک الی النحل

قدرت حقیقی میں صلاحیت ضدین کی ہے یعنی فعل اور ترک۔ اگر چاہے تو یہ کرے اگر چاہے وہ کرے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ بندہ کی قدرۃ اگر مخلوق ہو اور فعل و ترک فعل کی اس میں صلاحیت نہ ہو تو بندہ مجبور ہوگا صرف فعل کے ترک اور کرنے کی اس کو ہرگز قدرۃ نہ ہوگی حالانکہ بندہ خود مختار ہے۔ مثلاً زبان ہاتھ پاؤں ہر ایک میں صلاحیت ہے اپنے فعل کی مثلاً زبان میں صدق و کذب کی قابلیت ہے اور ہاتھ میں خیر و شر کی، یہی اشیا فعل کے اسباب ہیں ان سے قدرۃ کا علیحدہ کرنا ترجیح بلا مرجح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدرۃ میں صلاحیت دونوں کی ہے اور اس کی قدرۃ کا تعلق

جہاں طاعون پڑے
وہاں سے نہ بھاگو
اور نہ وہاں جاؤ

بطور بدلیہ کے ہر ایک سے ہے یہ کہ فعل سے پہلے ہو تخلف فعل ممکن ہے اور فعل واجب نہیں اور نہ کرنا ہی ممکن ہے واجب نہیں ہر ایک دوسرے کے عوض کر سکتا ہے۔ ایمان کے نہ لانے سے قوۃ کو ضائع کیا ایمان لانا ممنوع تھا تو قوۃ کی ترک سے مواخذہ ہے بندے کا ارادہ خدا کی مراد اجمالاً ہے نہ تفصیلاً نہ کرنے کی خصوصیت بندہ کے متعلق ہے۔

اصل فعل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس کا طاعت یا معصیت ہونا بندہ کی طرف سے ہے دلیل اس کی ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم ... لم یک مغیراً نعمۃ انعمھا علیٰ قوم. لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔ آیات کریمہ میں صاف ہے کہ قدرۃ عبد کو تاثیر فعل میں ہے۔ اگر بندہ کا کوئی فعل نہ ہو تو تغیر ہرگز بندہ کی طرف منسوب نہ ہوتا بندہ کے صرف دخل ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ اللہ موجد نہ ہو۔ مثلاً نماز اور قتل۔ ایک طاعت ہے دوسرا معصیت۔ اصل فعل اللہ کی طرف سے ہے صفت طاعت اور معصیت عبد کی طرف سے یہی معنی ہیں کسب عبد کے، مرتد ہونے کے بعد کل اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم۔ صحابہ کرام نے اپنی عورت کی ماں کو مطلق چھوڑا ہے کوئی دخول کی قید نہیں لگائی۔ آگے من النساء التی دخلتم بھن قید کا لحاظ کیا۔ تو معلوم ہو کہ مطلق اطلاق پر رکھا جاتا ہے اور مقید قید پر۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ۔ تو بعد توبہ پھر بھی اعمال واپس نہیں آتے۔

مسائل ضروریہ:

۱۔ خوشبو لینا، چکھنا، چھونا، یہ صفات اللہ کے علم میں داخل ہیں زائد نہیں کیونکہ یہ امور علم اللہ سے جدا نہیں ہو سکتے۔

۲۔ اشتراک کے یہ معنی ہیں کہ اصلی صفات میں شرکت اور وہ دو امور میں ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اشتراک اس چیز میں جو واجب ہے اور جائز ہے اور منع ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ایک مثل دوسرے کے قائم مقام ہو سکے اور یہ دونوں باتیں مخلوقات میں متصور نہیں ہو سکتیں تو خدا تعالیٰ مخلوقات کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اپنی حیات میں علم میں قدرت میں، ارادے میں، سمع بصر میں، کلام اور تکوین میں۔ تو مخلوقات بھی خدا کی مثل نہیں ہو سکتی۔

۳۔ ایمان یاس کا غیر مقبول اور توبہ یاس کی مقبول ہے۔ (ماخوذ از کتاب نظم الفرائد وجمع الفوائد فی بیان المسائل التی وقع فیھا الاختلاف بین الماتریدیہ الاشعریہ فی العقائد للعلامہ عبدالرحیم بن علی معروف بہ شیخ زادہ)

اب آئمہ عظام سے طعن کو دور کیا جاتا ہے: (منقول از کتاب رفع الملام عن آئمۃ الاعلام لابن تیمیہ)

واضح ہو کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی دوستی کے بعد مسلمانوں کی دوستی واجب ہے جیسا کہ قرآن مجید اس کا ناطق ہے۔ خصوصاً ان علماء کی جو انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی جا بجا کیا ہے جن سے کہ جنگل اور اندھیروں میں راہ یابی ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے ان کی ہدایت اور سمجھ پر اجماع کیا ہے اس لئے کہ جو امتیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے تھیں ان کے علماء اپنی امت میں سے اشرار تھے اور ماسوائے مسلمانوں کے کہ ان کے علماء امت مرحومہ کے خیار ہیں کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے آپ کی امت میں خلفاء ہیں اور سنن میتہ کے زندہ کرنے والے ہیں کتاب ان سے قائم ہے وہ کتاب سے قائم ہیں۔ کتاب ان کی بھلائی کی ناطق ہے وہ کتاب کے ناطق ہیں۔

حضرت جنید فرماتے جس شخص کا قول اور فعل قرآن اور حدیث کے مطابق نہ ہو اسے دفترِ رجال میں نہ لکھو

مخفی نہ رہے کہ کوئی امام بھی ان آئمہ میں سے جو امت کے نزدیک مقبول عام ہیں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر اعتماد نہیں کرتے۔ خواہ وہ سنت چھوٹی ہو یا بڑی کیونکہ وہ یقینی طور پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ہے اور اس پر بھی متفق ہیں کہ ماسوا نبی کریم ﷺ کے سب لوگوں کے بعض قول چھوڑے جاسکتے ہیں اور بعض لئے جاسکتے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ جب ان کے قول کے مخالف کوئی صحیح حدیث آجائے تو اس کو ترک کرنے کا عذر ضروری ہے اور تمام اعذار (جو ترک حدیث کے ہیں) وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ قول نبی کریم ﷺ کا نہیں اعتقاد کرتا۔ دوسرا یہ اعتقاد کرنا کہ اس قول سے وہ مسئلہ مراد نہیں۔ تیسرا یہ اعتقاد کہ یہ حکم منسوخ ہے اور ان اقسام ثلاثہ کے چند فروعی اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ وہ حدیث اس کو پہنچی نہیں ہوتی اور جس کو نہ پہنچی ہو وہ اس کا مکلف نہیں کہ اس کے حکم سے واقف ہو۔ جب حدیث اس کو نہیں پہنچی تو وہ اس مسئلے میں بموجب ظاہر آیت کے یا کسی دوسری حدیث کے یا قیاس کے یا استصحاب کے وہ قول کہہ دیتا ہے۔ لہٰذا وہ کبھی اس حدیث کے موافق ہوتا ہے کبھی مخالف اور یہ اکثر سبب ہے ان اقوال خلف کا جو بعض احادیث کے خلاف ملتے ہیں کیونکہ تمام احادیث کا احاطہ کسی شخص کو امت میں سے نہیں ہوا اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کوئی حدیث بیان فرماتے ہیں یا فتویٰ دیتے ہیں یا فیصلہ کرتے ہیں یا کوئی چیز کرتے ہیں تو اس کو وہ سن دیکھ سکتا ہے جو حاضر ہوتا ہے تو وہ اس واقعے کو پہنچاتے ہیں یا وہ پہنچاتے ہیں جن کو حاضرین سے پہنچا ہے تو اس واقعے کا علم ان علماء یا صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رضی اللہ عنہم کو پہنچتا ہے جن کو خدا کے ہاں منظور ہوتا ہے پھر دوسری مجلس میں نبی کریم ﷺ کوئی حدیث بیان فرماتے ہیں یا فیصلہ فرماتے ہیں یا کچھ کرتے ہیں اور اس مجلس میں بعض وہ لوگ حاضر ہوتے ہیں جو پہلی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے وہ بھی جہاں تک ممکن ہو پہنچا دیتے ہیں۔ تو پہلوں کے پاس دوسرا علم نہیں تھا اور دوسروں کے پاس پہلا علم نہیں ہوتا اور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رضی اللہ عنہم کی فضیلت کثرت علم یا جودت علم سے ہوتی ہے۔

لیکن ایک شخص کا تمام احادیث کے احاطہ کا ادعاء کرنا ناممکن ہے اور اس کو خلفاء راشدین میں سے ہی قیاس کرے کہ وہ تمام امت میں سے نبی ﷺ کے امور و اصول و سنن کے زیادہ واقف ہیں۔ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنھوں نے نبی ﷺ کو کبھی سفر و حضر میں نہیں چھوڑا بلکہ اکثر اوقات وہ آپ کے ساتھ ہوتے حتیٰ کہ رات کے وقت حضرت ﷺ سے امور مسلمین میں بھی گفتگو کرتے اور ایسے ہی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ابوبکر و عمر اکٹھے داخل ہوئے اور میں، ابوبکر و عمر اکٹھے نکلے۔ با اینہمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میراث جدہ کی بابت سوال ہوا تو فرمایا کہ میں کتاب اللہ میں تیرے لئے کچھ نہیں پاتا اور سنت رسول ﷺ میں بھی کچھ نہیں جانتا لیکن میں لوگوں سے دریافت کروں گا تو لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور گواہی دی کہ نبی کریم ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ عطا فرمایا اور یہ حدیث عمران بن حصین کو بھی پہنچی ہوئی تھی حالانکہ یہ تینوں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء رضی اللہ عنہم کے مرتبہ میں نہیں ہیں۔ اس کے باوجود پھر وہ اس معاملے کے علم میں خصوصیت رکھتے ہیں اور امت نے ان کو عمل کے لئے اتفاقاً مان لیا ہے۔

اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ وہ سنت استیذان کو نہ جانتے تھے حتیٰ کہ ان کو ابوموسیٰ اشعری نے اطلاع دی اور انصار کو اپنا شاہد بنایا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شخص سے زیادہ عالم تھے جس نے یہ سنت بیان کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے بھی واقف نہ تھے کہ عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث ہوتی ہے یا نہیں بلکہ جانتے تھے کہ دیت کے وارث عاقلہ ہی ہیں حتیٰ کہ ان کی طرف ضحاک بن سفیان نے لکھا جو کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے بعض بادیہ کے امیر تھے لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اشیم ضبابی کی عورت کو اس کے خاوند کی دیت کا وارث بنایا تھا، بنابریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کو ترک کر دیا اور فرمایا کہ اگر ہم یہ حدیث نہ سنتے تو ہم اس کے خلاف حکم دے دیتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجوسی کا حکم جزیہ میں بھی معلوم نہ تھا حتیٰ کہ ان کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان میں یعنی مجوسی میں وہی طریقہ جاری کرو جو کہ اہل کتاب میں سنت جاری ہے اور جبکہ موضع سرغ میں پہنچے تو ان کو خبر پہنچی کہ شام میں طاعون ہے تو ان مہاجرین اولین سے جو ان کے ہمراہ تھے مشورہ لیا پھر انصار سے پھر فتح مکہ کے مسلمین سے تو ہر ایک نے وہ رائے دی جو کہ سوجھی مگر کسی نے حدیث نہ پیش کی حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے اور خبر دی کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب کسی علاقہ میں سنو کہ طاعون پڑی ہے اور تم اس میں مقیم ہو تو بھاگ کر مت نکلو اور اگر سنو کہ کسی علاقہ میں طاعون ہے تو تم وہاں جاؤ بھی نہیں اور حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے آپس میں اس شخص کے حق میں مذاکرہ کیا جو کہ نماز میں شک کرے تو ان کو سنت نہ پہنچی تھی۔ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شک کو چھوڑ دے اور یقینی معاملہ پر بنا کرے اور ایک دفعہ سفر میں تھے تو سخت آندھی چلی فرمایا کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ہمیں آندھی کے بارے میں کوئی حدیث بیان کرے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی یہ بات پہنچی اور میں پچھلی جماعتوں میں تھا تو میں نے اپنی سواری کو بڑھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچ کر وہ حدیث سنائی جو حضرت ﷺ نے آندھی کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی۔

پس یہ وہ مسائل ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ ان کو ان لوگوں نے بتایا جو ان سے علم میں کم تھے اور چند مواضع ہیں جن کو وہ سنت نبوی سے نہیں جانتے تھے تو ان میں اپنی رائے سے فیصلہ دیا یا فتویٰ دیا جیسے کہ انگلیوں کی دیت میں فرمایا کہ ان کی دیت بحسب اختلاف منافع کے ہوگی حتیٰ کہ ابن عباس اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم نے جو کہ علم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کم تھے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ انگوٹھا اور چھنگلیاں برابر ہیں۔ یہ امر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو اسی پر فیصلہ دیا اور مسلمانوں کو اس کے ماننے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں عیب نہ تھا کیونکہ ان کو حدیث نہ پہنچی تھی اور ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محرم کو احرام سے پہلے اور رمی جمرئ عقبیٰ کے بعد رجوع الی المکہ سے پہلے خوشبو کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔ ان کے ماسوا اور بعض اہل فضل بھی اس میں ان کے موافق تھے اور ان کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ میں نے نبی ﷺ کو احرام سے پہلے اور حلال ہونے کے بعد طواف سے پہلے خوشبو لگائی اور موزے پہننے والے کو حکم دیتے تھے کہ ان میں کوئی مدت مقرر نہیں اتارنے تک مسح کرتا جائے اور اس بارہ میں کئی سلف صالحین میں سے ان کے تابع تھے اس لئے کہ جن حدیثوں میں وقت کی قید ہے ان کو پہنچی نہ تھی اور ان لوگوں کے پاس وہ حدیثیں موجود تھیں۔ جو علم میں ان سے کم تھے اور تعین مدت مسح کی حدیث نبوی ﷺ سے طرق متعددہ صحیحہ سے ثابت ہیں۔

اور ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو وہ اس کے گھر میں عدت گزارے حتیٰ کہ فریعہ بنت مالک ابوسعید خدری کی ہمشیرہ نے بتایا کہ میرا خاوند مر گیا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت تک ایام گذارو۔ تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو مان لیا۔ ایک دفعہ ان کو شکار پیش کیا گیا جو ان کے لئے شکار ہوا تھا تو انھوں نے کھانے کا قصد کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو روایت کی کہ نبی ﷺ کے لئے گوشت ہدیہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے واپس فرما دیا اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں حضرت ﷺ سے حدیث سنتا تھا تو حتی المقدور اس سے فائدہ حاصل کرتا تھا اور اگر کوئی اور مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا۔ جب وہ قسم دیتا تو میں اس کو مان لیتا۔ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تصدیق فرمائی۔ وہ حدیث صلوٰۃ التوبہ ہے جو مشہور ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فتویٰ دیا کہ جس حاملہ عورت کا خاوند مر گیا ہو وہ ابعد الاجلین عدت بیٹھے اور ان کو حضرت ﷺ کا فتویٰ سبیعہ اسمیہ میں نہیں پہنچا تھا۔ جو آپ نے فرمایا تھا کہ اس کی عدت وضع حمل تک ہے اور حضرت عثمان اور حضرت زید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ مفوضہ عورت کا خاوند مر جائے تو اس کا کوئی مہر نہیں اور ان کو بروع بنت واشق کا واقعہ پہنچا نہ تھا۔ یہ بات بہت فراخ ہے کہ جو صحابہ نے نبی ﷺ سے نقل کی ہے وہ بہت سی حدیثیں ہیں اور وہ حدیثیں جو کہ غیر صحابہ سے منقول ہیں ان کا احاطہ دشوار ہے کیونکہ وہ کئی ہزار ہیں۔ وہ لوگ امت کے بہت عالم اور زیادہ فقیہ اور بڑے افضل اور پرلے درجے کے متقی ہیں اور جو ان سے بعد ہیں وہ ان سے کم ہیں۔ لہٰذا ان پر بعض حدیث کا مخفی رہنا زیادہ ممکن ہے جو محتاج بیان نہیں۔ سو جس کا یہ گمان ہو کہ ہر صحیح حدیث کسی امام معین یا غیر معین کو پہنچ چکی ہے یہ صرف خطا اور غلطی ہے اور کوئی قائل نہیں کہہ سکتا کہ اب حدیثیں جمع اور مدون ہو چکی ہیں۔ اب حدیثوں کا خفا ناممکن ہے کیونکہ یہ مشہورہ دفاتر حدیث آئمہ رضی اللہ عنہم کے انتقال کے بعد جمع ہوئی ہیں۔ بااین ہمہ یہ دعویٰ ناممکن ہے کہ تمام حدیثیں نبی ﷺ کی فلاں فلاں کتاب میں منحصر ہیں اور اگر فرض کریں کہ تمام احادیث نبی ﷺ کی منحصر ہیں تو کسی عالم کو ہر ایک کتاب ملنی بھی دشوار ہے بلکہ بعض اوقات کسی کے پاس مشہور کتابیں ہوتی ہیں اور وہ تمام مافیہا سے واقف نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کتب کے جمع کرنے سے پہلے جو لوگ تھے وہ ان سے زیادہ عالم تھے۔ کیونکہ بعض وہ جو ان کو پہنچی ہوتی ہیں وہ ہم تک کبھی تو بالکل پہنچتی ہی نہیں یا پہنچتی ہیں تو مجہول اسناد یا منقطع اسنادات تو ان کے صدری علوم ہمارے صحفی علوم سے زیادہ جامع اور بہت حاوی تھے اس امر میں کوئی شخص شک نہیں کر سکتا یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جو تمام احادیث نہ جانتا ہو وہ مجتہد نہیں بن سکتا کیونکہ اگر مجتہد میں یہ شرط لگائیں کہ وہ تمام اقوال و افعال نبوی ﷺ کا واقف ہو تو کوئی امت

مرحومہ میں مجتہد نہیں بن سکتا۔ ہاں مجتہد کی یہ شرط ہے کہ وہ اکثر احادیث جو متعلق احکام کے ہیں ان سے واقف ہو اور اس پر بہت تھوڑی احادیث مخفی ہوں تو اس لئے وہ کہیں ان تھوڑی حدیثوں کے مخالف کر جاتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ حدیث اس کو پہنچی ہوتی ہے مگر وہ اس کے نزدیک ثابت نہیں ہوتی یا تو اس لئے کہ اس کا بیان کرنے والا کوئی شخص اسناد میں مجہول ہوتا ہے یا متہم ہوتا ہے یا سیئی الحفظ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کو سند نہیں پہنچتی بلکہ منقطع پہنچتی ہے یا اس کو لفظ حدیث مضبوط و محفوظ نہیں ہوتے اور اس شخص کے غیر کو یہ حدیث ثقات سے متصل سند کے ساتھ پہنچی ہوتی ہے بایں طور کہ جو پہلے شخص کے نزدیک مجہول تھا وہ دوسرے کے نزدیک معروف ثقہ ہوتا ہے یا دوسرے کو ان لوگوں سے پہنچتی ہے جو مجروح نہیں ہوتے یا اس کو طریقہ منقطعہ کے سوا متصل اسناد سے پہنچ جاتی ہے یا اس حدیث کے الفاظ کسی دوسرے محدث کے پاس محفوظ و مضبوط ہوتے ہیں یا اس روایت کے شواہد و مطالبات ہوتے ہیں جو کہ اس کو درجہ صحت تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے بھی واقعات بہت زیادہ ہیں اور یہ سبب تابعین اور پچھلوں میں بہ نسبت پہلے قرن کے زیادہ ہے بلکہ پہلے سبب سے یہ سبب زائد ہے کیونکہ حدیثیں مشہور و منتشر ہو چکی ہیں لیکن بعض علماء کو ضعیف طرق سے ملتی ہیں اور بعضوں کو صحیح طرق سے مل جاتی ہیں تو اس وجہ سے وہ حجت ہوتی ہیں باوجودیکہ وہ حدیث مخالفین کو اس طریقہ سے نہیں پہنچی ہوتیں۔ لہٰذا بہت سے آئمہ مجتہدین کے کلام میں بھی یہ دستور پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قول کو حدیث صحیح کے حکم پر معلق فرما دیتے ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے اور حدیث اس بارہ میں یوں ہے۔ پس اگر حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا قول ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ حدیث کو اپنے اجتہاد کی وجہ سے ضعیف خیال کرتا ہے حالانکہ اس کی اس میں اور مخالف بھی ہوتے ہیں۔ باوجود قطع نظر دوسرے طرائق حدیث کے۔ خواہ صواب اس کی طرف ہو یا اس کے مخالف کی طرف یا دونوں کی طرف۔ اس شخص کے قول پر جو کہتا ہے کہ ہر مجتہد صواب کو پہنچتا ہے۔

محدث کے دو حال ہوتے ہیں ایک استقامت اور دوسرا اضطراب

اس کے چند اسباب ہیں لیکن یہ سبب ہوتا ہے کہ محدث ایک حدیث کو ضعیف اعتقاد کرتا ہے اور دوسرا اس کو صحیح گمان کرتا ہے اور علم معرفہ رجال بہت وسیع ہے پھر بعض اوقات صواب اس کی جانب ہوتا ہے جو کہ اس کو ضعیف گمان کرتا ہے کیونکہ وہ سبب جارح پر مطلع ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کی جانب میں صواب ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سبب خارج نہیں اس لئے کہ اس جرح کی جنس جارح نہیں یا اس لئے کہ اس میں ایک عذر ہوتا ہے جو جرح کا مانع ہوتا ہے۔ یہ بات بھی بہت وسیع ہے اس میں علماء کو آپس میں بعض مسئلوں میں اجماع ہوتا ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ جیسے کہ دوسرے علوم والے علماء کو بھی یہ حالت پیش آتی ہے کہ کبھی اجماع ہوتا ہے اور کبھی اختلاف۔ کبھی یہ سبب ہوتا ہے کہ محدث گمان کرتا ہے کہ راوی نے اپنی مروی عنہ سے حدیث نہیں سنی اور دوسرا یہ اعتقاد کرتا ہے کہ اس نے سنی ہوئی ہے۔ جس کے کئی اسباب ہوتے ہیں کبھی یہ سبب ہوتا ہے کہ محدث کے دو حال ہوتے ہیں۔ ایک حال استقامت کا دوسرا اضطراب کا، چنانچہ وہ مختلط ہو جاتا ہے یا اس کی کتابیں جل جاتی ہیں۔ سو جو حالت استقامت میں روایت کرتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جو حالت اضطراب میں روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہوتا ہے تو وہ شخص واقف نہیں ہوتا کہ یہ حدیث کس نوع کی ہے اور دوسرا جانتا ہے کہ حالت استقامت کی حدیث ہے۔ کبھی یہ سبب ہوتا ہے کہ محدث حدیث کو بیان کر کے بھول جاتا ہے اور پھر بعد میں اس کو یاد نہیں ہوتی یا وہ انکار کر دیتا ہے کہ میں نے حدیث بیان ہی نہیں کی۔ تو ایک سمجھتا ہے کہ یہ سبب ہے جو ترک حدیث پر باعث ہوتا ہے اور دوسرا سمجھتا ہے کہ سبب ترک حدیث کا یہ نہیں۔ ایسی حدیث سے استدلال صحیح ہے اور یہ مسئلہ معروف ہے۔ کبھی یہ سبب ہوتا ہے کہ اکثر حجازی خیال کرتے ہیں کہ شامی یا عراقی کو اگر حجازیوں میں اصل نہ ہو تو اس عراقی یا شامی کی حدیث حجازیوں میں معتبر نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ عراقیوں کی حدیثوں کو اہل کتاب کی احادیث کی طرح سمجھو۔ نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور دوسرے کو کہا گیا کہ سفیان کی روایت منصور سے عن علقمہ عن عبداللہ حجت ہے اور کہتا ہے کہ اگر اس کا اصل حجاز سے نہ ہو تو معتبر نہ ہوگی کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ اہل حجاز نے سنت کا ضبط کر لیا ہے ان سے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ نیز ان کا گمان ہے کہ عراقیوں کو حدیثوں میں اضطراب واقع ہو گیا ہے جو موجب توقف ہے اور بعض عراقیوں کا گمان ہے کہ شامیوں کی حدیثوں سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اکثر اس طرف گئے ہیں کہ ایسی وجہ تضعیف سے حدیث ترک نہیں کی جا سکتی۔ جب اسناد جید ہو تو حدیث حجت ہے خواہ اسناد حجازی ہو یا عراقی یا شامی یا کوئی اور اسناد ہو۔ ابوداؤد سجستانی نے اہل مصر کے افراد فن حدیث میں تصنیف فرمائی ہے جس میں وہ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جو

کہ اہل مصر کے پاس مستند حدیثیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں۔ جیسے کہ مکہ مدینہ طائف دمشق حمص کوفہ بصرہ وغیرہ امصار کی حالت ہے نیز اور بھی اسباب ہیں۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ بعض اخبار احاد کے رُواۃ عدل میں وہ شرائط کرتے ہیں جو دوسرے نہیں کرتے جیسے بعض فرماتے ہیں کہ حدیث کو کتاب اللہ وسنت پر پیش کریں گے اور بعض شرط کرتے ہیں کہ جب حدیث اصول وقیاس کے خلاف ہو تو راوی حدیث کا فقیہ ہونا ضروری ہے۔ بعض شرط کرتے ہیں کہ جب حدیث ایسے واقع میں ہو کہ جس میں عموم بلوی ہو تو حدیث مشہور وظاہر ہونی ضروری ہے اور بھی کئی باتیں ہیں جو اپنے موقع پر بیان کی گئی ہیں۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ حدیث اس کو پہنچی ہوتی ہے اور اس کے نزدیک ثابت ہوتی ہے مگر پھر اس کو بھلا دیتا ہے جیسے کہ حدیث مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ آدمی سفر میں جنبی ہو جائے اور پانی نہ ملے تو کیا کرے؟ فرمایا جب تک پانی نہ ملے نماز ادا نہ کرے۔

دلالت سے ناواقفیت اختلاف کا سبب بن جاتی ھے

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا امیر المومنین! آپ کو یاد ہے کہ جب آپ اور میں اونٹوں میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہو گئے تھے تو میں چار پائے کی طرح زمین میں لیٹ پڑا اور آپ نے نماز نہ پڑھی تو میں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں واقع پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ زمین پر ہاتھ مار کر منہ اور کفوں کو مسح کر لیتا اور اشارہ فرما کر بتا دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمار! خدا سے ڈر حضرت عمار نے عرض کی کہ اگر آپ فرما دیں تو میں بیان نہ کیا کروں۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس بات کا تو والی ہے اسی کا والی رہو۔ پس یہ واقعہ ہے کہ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر تھے پھر ان کو بھول گیا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یاد دلایا پھر بھی یاد نہ آیا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی تکذیب نہ کی اور حدیث بیان کرنے کی اجازت دے دی اور اس سے زیادہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ فرمایا کہ کوئی شخص ازواج مطہرات کے مہر سے زیادہ مہر مقرر نہ کرے ورنہ میں اس کو رد کر دوں گا تو ایک عورت نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ ہمیں اس چیز سے کیوں محروم کرتے ہیں جو خدا نے ہمیں دی ہے اور آیت و اتیتم احدھن قنطاراً تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور انھوں نے جس آیت کو بھلایا ہوا تھا یاد کر لیا اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یوم جمل میں آپ کا وعدہ یاد دلایا جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا تو وہ اس واقعہ کے قتال سے باز آ گئے۔ یہ اور اس قسم کی اور بہت سی باتیں سلف اور خلف میں ملتی ہیں۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ وہ عالم شخص بعض اوقات دلالت حدیث سے واقف نہیں ہوتا کیونکہ لفظ حدیث کا غریب ہوتا ہے جیسے لفظ مزابنہ یا محاقلہ یا مخابرہ یا ملامسہ یا منابذہ یا بیع غرر جن کلمات کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ نیز جیسے حدیث مرفوع میں ہے کہ لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق کیونکہ وہ اغلاق کی تفسیر اکراہ سے کرتے ہیں۔ دوسرا مخالف اس تفسیر سے واقف نہیں ہوتا اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ اس شخص کی لغت میں ایک لفظ کا ایک معنی ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی لغت میں اور معنی ہوتا ہے تو وہ شخص اپنی لغت کے مطابق معنی کرتا ہے کیونکہ لغت کو اپنی اصل پر چھوڑا جاتا ہے جیسے کہ بعض رخصت نبیذ کو سنتے ہیں تو وہ اس کو مسکر کی قسم سے اپنی لغت کے مطابق گمان کرتا ہے حالانکہ اس کو پانی میں میٹھا کرنے کے لئے ڈالتے تھے اور مسکر نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض حدیثوں میں اس کی تفسیر آ چکی ہے اور بعض لفظ خمر کو کتاب اللہ میں سنتے ہیں تو اس کو محض نچوڑ انگور پر اعتقاد کر کے حمل کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی لغت میں اسی پر حمل کرتے ہیں کہ شیرہ انگور ہو اور مشتقلہ ہو جائے۔ اگرچہ بعض احادیث میں جو صحت کے درجے کو پہنچی ہوئی ہیں آ چکا ہے کہ ہر نشے والی چیز حرام ہے اور خمر ہر نشے والی چیز کا نام ہے۔ اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ ایک لفظ مجمل یا مشترک یا متردد بین الحقیقۃ والمجاز ہوتا ہے تو اس کو ایک شخص اپنے ذہن میں اقرب معنی پر حمل کر لیتا ہے۔ جیسے کہ صحابہ نے شروع امر میں خیط ابیض اور خیط اسود کو دھاگے پر حمل کیا تھا اور جیسے کہ بعض نے لفظ ید کو فامسحو بوجوھکم میں بغل تک سمجھ لیا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ دلالت نص کی مخفی ہوتی ہے کیونکہ دلالت اقوال کی جہات مختلف ہیں لوگ اپنے افہام کے مطابق لفظ کو حمل کیا کرتے ہیں پھر کبھی ایک آدمی ایک لفظ کو جانتا ہے اور اس کو عموم پر حمل کرتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ اس عام میں داخل ہے پھر کبھی اس بات کو سمجھ کر وہ بھول جاتا ہے۔ یہ باب بہت وسیع ہے۔ بعض اوقات آدمی لفظ کو غلطی سے ایسے معنی پر حمل کرتا ہے جس کی لغت عربی نبی ﷺ کی اس کو حامل نہیں ہوتی۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ دلالت حدیث کا معتقد نہیں ہوتا۔ اس سبب میں اور چھٹے سبب میں یہ فرق ہے کہ وہاں جہت

دلالت سے واقف نہیں ہوتا اور یہاں واقف تو ہوتا ہے لیکن اس کو دلالت صحیح نہیں تصور کرتا خواہ وہ صواب ہو یا خطا ہو مثلاً اعتقاد کرتا ہے کہ عام مخصوص البعض حجت نہیں اور مفہوم الکلام حجت نہیں اور عام جو خاص سبب میں وارد ہوا اس کو اپنے سبب پر منحصر کرتے ہیں یا یہ کہ امر مجرد وجوب یا فور کا مقتضی ہے یا نہیں یا یہ کہ معرف باللام کا عموم نہیں یا مقتضی کا عموم نہیں لہٰذا مضمرات و معانی میں عموم کا دعویٰ نہیں کرتا اس لئے کہ بہت سا حصہ فقہ کا اس کے خلاف پر مبنی ہے۔

قربِ خداوندی کے لیے رسول اللہ ﷺ سے کوئی بڑا وسیلہ نہیں

آٹھواں سبب یہ ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ اس دلالت کے معارض ایک امر ہے جو دال ہے کہ وہ دلالت مراد نہیں جیسے خاص اور عام کا معارضہ یا مطلق یا مقید یا امر مطلق کا وجوب کو نفی کرنا یا حقیقت کا مقابلہ مدلول مجاز سے کیونکہ بعض دلالتوں کا بعض سے معارض ہونا اور پھر ترجیح قائم کرنا ایک بے پایاں دریا ہے۔

نواں سبب یہ ہے کہ حدیث کے معارض ایک چیز ہے جو اس کے ضعف کی طرف دلالت کرتی ہے یا اس کے نسخ یا تاویل کی طرف بشرطیکہ تاویل ایسے امر سے ہو کہ جس کا معارض بالاتفاق ہو سکتا ہو۔ جیسے آیت اور دوسری حدیث یا اجماع اور یہ دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ یہ فی الجملہ راجح ہے۔ تو ان تینوں میں سے لاعلی التعیین معین کر لیتا ہے اور کبھی ایک کو معین کر لیتا ہے اس اعتقاد پر کہ اس کو منسوخ یا موول شمار کرتا ہے پھر کبھی نسخ میں غلطی کرتا ہے متاخر کو متقدم سمجھتا ہے اور کبھی تاویل میں غلطی کرتا ہے کہ ایسے محمل پر حمل کرتا ہے جس کو لفظ حامل نہیں۔ یا اس کا کوئی دافع موجود ہوتا ہے اور جب فی الجملہ معارض ہو تو کبھی معارض دال بر معاوضہ نہیں ہوتا اور کبھی حدیث معارض اول حدیث کی قوت اسناد یا متن میں نہیں ہوتی اور کبھی ہم چند علماء کو دیکھتے ہیں کہ ایسے متمسک کی طرف وہ قائل ہوتے ہیں جنہیں مخالف کا علم نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ ظاہراً ادلہ اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن عالم کو یہ لائق نہیں کہ ایسا قول کہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ باوجودیکہ لوگ اس میں خلاف کر رہے ہیں حتیٰ کہ جو اپنے قول کو معلق کرے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ اگر مسئلہ میں کوئی اجماع ہو تو وہی زیادہ بہتر ہے اور تابعداری کا زیادہ حقدار ہے ورنہ میرا یوں قول ہے جیسے کہ کوئی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غلام کی شہادت کو جائز سمجھا ہو حالانکہ اس کا قبول کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ، شریح رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معتق البعض وارث نہیں حالانکہ اس کا وارث بنانا علی رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور نبی ﷺ کی حدیث حسن بھی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وجوب صلوٰۃ علی آل النبی ﷺ کا نماز میں کوئی قائل نہیں حالانکہ حضرت ابی جعفر باقر رضی اللہ عنہم سے اس کا وجوب منقول ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ بہت سے علماء اپنے شہر کے اقوال علماء کو جانتے ہیں یا بعض جماعات غیر کے اقوال سے واقف ہوتے ہیں جیسے کہ بہت سے حقدمین اقوال مدنیین یا کوفیین کے سوا واقف نہیں ہوتے اور بہت سے متاخرین سوا ایک یا دو یا تین آئمہ کے اقوال کے نہیں جانتے اور جو ان سے خارج ہو اس کو خلاف اجماع تصور کرتے ہیں اور یہ شخص اس وجہ سے حدیث کی طرف نہیں جا سکتا کہ اس کو اپنے زعم میں خلاف اجماع خیال کرتا ہے اور اجماع بہت بڑی دلیل ہے اور یہ عذر بہت پایا جاتا ہے۔ بعض اس میں حقیقۃً معذور ہیں اور بعض معذور نہیں۔

> خزائن کی چابیاں حضور ﷺ کو دے دیں گئیں

دسواں سبب یہ ہے کہ معارضہ کرتا ہے بعض اس چیز سے جس کو کہ مخالف معارض نہیں سمجھتا۔ جیسے کہ بہت سے کوفیین حدیث صحیح کو ظاہر قرآن کے مخالف سمجھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ظاہر قرآن کا عموم نص حدیث پر مقدم ہے، پھر بعض غیر ظاہر کو ظاہر سمجھ لیتے ہیں بوجہ ان دلالات اقوال کے کہ جن کے کئی وجوہ ہیں۔ اس لئے حدیث قضا بشاہد و یمین کو رد کر دیا ہے اور دوسرے جانتے ہیں کہ ظاہر قرآن کا قضا بشاہد و یمین کو مانع نہیں اور اگر ہو تو حدیث اس کی مفسر ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں کلام ہے اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور رسالہ ہے کہ جس میں اس پر رد کر دیا ہے کہ ظاہر قرآن مجید سنت سے مستغنی نہیں ہے اور اس میں بہت سے دلائل بیان کئے ہیں۔ بعض ان میں سے یہ کہ جس حدیث میں زیادہ ہو قرآن پر یا تقیید مطلق ہو یا تخصیص عموم ہو اس کو رد کر دینا اور اعتقاد کرنا کہ یہ امور نسخ ہیں جیسے کہ اہل مدینہ کے عمل سے مدنی لوگ صحیح حدیث کو ترک کر دیتے ہیں اس بنا پر اہل مدینہ حدیث کے خلاف پر اجماع کر رہے ہیں اور ان کا اجماع خبر واحد پر مقدم ہے جیسے کہ خیار مجلس کی احادیث کی بنا اسی پر ہے اگرچہ اکثر لوگ ثابت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر اس میں اجماع ہو تو اور

لوگ اس کے مخالف ہیں لہٰذا خبر واحد مقدم ہوگی اور جیسے کہ بعض بلد ہین بعض احادیث کو قیاس جلی سے معارضہ کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ قواعد شرعیہ کلیہ ایسی اخبار سے نہیں ٹوٹ سکتے اور کئی معارضات ہیں جن میں لوگ مصیب و مخطی ہیں۔

یہ دس اسباب ظاہر ہیں اور بہت سی احادیث میں عالم کو ترک عمل بالحدیث کی کوئی حجۃ ہوتی ہے جس پر ہم واقف نہیں ہوتے۔ کیونکہ مدارک علماء کے مختلف ہیں اور عالم کبھی اپنی حجت ظاہر کرتا ہے کبھی نہیں اگر وہ حجت ظاہر کرتا ہے تو پھر وہ ہمیں پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی اور جب پہنچتی ہے تو کبھی مدارک اجتہاد کو پہنچتی ہے کبھی نہیں پہنچتی خواہ وہ ثواب ہو یا خطا ہو۔ (منقول از کتاب رفع الملام عن آئمۃ الاعلام ص ۲ تا ۹۳، للحافظ ابن تیمیہ حرانی)

فوائد درود شریف: رسول اللہ ﷺ کی طفیل اللہ جل شانہ کے قرب کا حصول اور کوئی بڑا وسیلہ نہیں بغیر رسول اللہ ﷺ کے اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے درود شریف پڑھنے کا۔ اس میں حضور ﷺ کی فضیلت اور بزرگی ہے اور اس میں بہت بھاری ثواب ہے اور یہ تمام عملوں سے افضل ہے اور اس میں بہت برکتیں ہیں اور اس سے خدا راضی ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اعلیٰ درجے حاصل ہوتے ہیں۔ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ دل صاف ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ خدا کے محبوب ہیں اور محبوب کا بڑا قدر ہوتا ہے اس لئے واجب ہے کہ حضور ﷺ سے محبت کی جائے اور وہ بغیر درود شریف کے حاصل نہیں ہوتی جو خدا نے نعمتیں دنیا اور آخرت میں دی ہیں ان کے ملنے کا سبب بھی درود شریف ہے اور اس کے پڑھنے میں خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اگر کوئی شیخ نہ ہو تو اس کے پڑھنے سے مقصود کو حاصل کر لیتا ہے۔ درود شریف میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ دونوں کا ذکر آ جاتا ہے۔ درود شریف میں کئی کرامتیں ہیں۔ نبی ﷺ کی شفاعت، فرشتوں کی پیروی، اور کفار کی مخالفت گناہ کا نابود ہو جانا، حاجتوں کا پورا ہونا، دل کا روشن ہونا، قیامت میں عذاب سے بچنا، بہشت میں داخل ہونا، اور خدا کی طرف سے نبی کو سلام۔ درود شریف کے لئے پھل ہیں۔ خدا کی موافقت درود شریف میں ہے اور ایک دفعہ درود شریف پڑھنے سے خدا کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں اور دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں دس گناہ مٹ جاتے ہیں اور یہ حضرت ﷺ کی شفاعت کا سبب ہے۔ یہ صدقے کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ درود شریف بندے کے پاک ہونے کا سبب ہے اور بندے کو موت سے پہلے بہشت کی خوش خبری دلانے کا سبب ہے۔ خدا کی رحمت بھیجنے کا سبب ہے، اور یہ مجلس کے خوش ہونے کا سبب ہے اور جس مجلس میں درود شریف پڑھا جائے اس کو قیامت کے دن کوئی افسوس نہیں ہوتا اور جو شخص درود شریف پڑھے اس سے بھوک دور ہو جاتی ہے اور درود شریف پڑھنے والے سے نجس کا نام دور ہو جاتا ہے اور درود شریف پڑھنے والا لوگوں کی بد دعا سے بچ جاتا ہے اور درود شریف پڑھنے والا بہشت کے راستے کو چلے گا اور نہ پڑھنے والا بھول جائے گا۔ درود شریف میں حمد اور صلوٰۃ پوری ہو جاتی ہے۔ پل صراط سے عبور آسان ہوتا ہے انسان جفا سے نکل جاتا ہے۔ آسمان زمین میں ثناء حسن مصلی پر ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کی محبت زیادہ ہوتی ہے اور اس سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ درود شریف ہدایت کا سبب ہے اور یہ درود شریف حضور ﷺ کے پیش ہوتا ہے اور درود شریف سے ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کو جو خداوند کریم نے ہم پر احسان کے طور پر بھیجا ہے اس کا یہ تھوڑا حق ہے درود شریف زیادہ پڑھنے سے حضور ﷺ کی صورت دل میں منقش ہو جاتی ہے۔ درود شریف دنیا اور آخرت میں کافی ہے۔ درود شریف پڑھنے والا خدا کے غصے سے امن میں رہے گا اور قیامت کے دن میزان کا پلہ بھاری ہوگا اور درود شریف سے مال بڑھتا ہے اور درود شریف پڑھنے والے کی اولاد کو بھی ثواب ملتا ہے اور قبر میں بھی روشنی ہوتی ہے۔ دشمنوں پر بھی فتح ہوتی ہے اور مؤمنوں میں محبت ہوتی ہے اور بکثرت درود شریف پڑھنے میں حضور ﷺ کی زیارت بیداری میں ہوتی ہے جو درود شریف پڑھنے والے ہیں لوگ ان کا گلہ نہیں کرتے۔

جو شخص درود پڑھے بھوک اس سے دور ہو جاتی ہے

کرامات اولیا پچیس قسم ھیں

کرامات اولیاء پچیس قسم ہیں:

۱۔ ابی عبید بسری نے ایک جنگ میں ان کا چارپایہ ہلاک ہو گیا تھا۔ تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی زندہ ہو گیا اور بعد زندہ ہونے کے کان جھاڑتا تھا۔ جب مقام بسر میں آئے تو ملازم سے کہا کہ اس کا لگام اتارو پس لگان اتارتے ہی دابہ گر گیا اور اسی طرح دمانی نے ایک مرغا بھونا ہوا زندہ کر دیا، اور اسی طرح شیخ ابدل نے بلی مردہ کو زندہ کر دیا اور شیخ عبد القادر جیلانی نے ایک مرغ کی ہڈی پر ہاتھ رکھا وہ زندہ ہو گیا۔ ابو

یوسف ہمدانیؒ نے ایک انسان مردہ کو زندہ کر دیا اور بعد میں مدت تک وہ زندہ رہا۔ ولیوں اور نبیوں کے احیاء موتیٰ میں صرف فرق یہ ہے کہ مدت دراز کے مرے ہوئے مردہ کو نبی زندہ کر سکتا ہے اور ولی نہیں کر سکتا۔ ولی صرف جلدی مرے ہوئے کو زندہ کر سکتا ہے۔

۲۔ **مُردوں سے کلام کرنا:** شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے کئی مردوں نے کلام کی اس طرح کی بہتیری حکایات ہیں۔

۳۔ **دریا کا پھٹ کر خشک ہو جانا:** اور پانی پر چلنا تقی الدین ابن دقیق العید کی یہ کرامت ہے۔

۴۔ **انقلاب الاعیان:** جیسے عطار یمنی کو ایک شخص نے مسخری سے دو برتن دیئے جو شراب سے پُر تھے، ایک کو دوسرے میں ڈالا اور کہا کہ بسم اللہ سے کھاؤ۔ وہ گھی ہو گیا۔

۵۔ **طیّ الارض:** بعض ولیوں سے حکایت ہے کہ وہ جامع طرطوس میں تھے اس کو زیارت حرم کا شوق ہوا، سر گریباں میں ڈالا اور نکالا تو حرم میں تھے۔

۶۔ **حیوانات اور جمادات سے کلام کرنا:** ابراہیم ادہم بیت المقدس کے راستے میں انار کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ درخت انار نے آواز دی اور کہا کہ میرا پھل کھاؤ۔ وہ درخت مدت تک رہا اور اس کے انار میٹھے ہوتے تھے۔ اسی طرح شیخ شبلیؒ ایک درخت کا پھل کھانے لگے درخت نے پکار کر کہا کہ میں یہودی کا ہوں مجھے مت چھیڑو۔

۷۔ **بیماروں کا اچھا کرنا:** سری سقطیؒ نے پہاڑوں میں کئی اندھوں اور مریضوں کو اچھا کیا۔ شیخ عبدالقادرؒ نے فالج والے اور جذامی کو اچھا کیا۔

۸۔ **حیوانات کا تابع ہونا:** ابی سعید مہنی کی شیر نے تابعداری کی اور ابراہیم خواص بھی سوار ہوئے اور عزالدین بن عبدالسلام نے ہوا کو تابع کیا اور نصاریٰ تباہ ہوئے۔

۹۔۱۰۔ **زمانہ کا مختصر اور لمبا ہونا:** اس میں بکثرت حکایات موجود ہیں جو بخوف طوالت ترک کی گئیں۔

امام ابو حنیفہ کی طرف سماعِ موتیٰ کا انکار منسوب کرنا بہتان ہے

۱۱۔ **مستجاب الدعوات ہونا:**

۱۲۔ زبان کا کلام سے بند کرنا یا زیادہ بلانا۔

۱۳۔ چند آدمیوں میں عداوت کی وجہ سے دوستی ڈال دینا۔

۱۴۔ بعض غیوبات کی خبر دینی یہ بے شمار ہے۔

۱۵۔ مدت تک نہ کھانا نہ پینا۔

۱۶۔ **مقام تصرف:** کسی کو کہنا کہ بارش برسا دو یا نرخ ارزاں کر دو مگر نیاز لے کر۔

۱۷۔ **من و دمن طعام کھانا۔**

۱۸۔ **اکل حرام سے بچنا:** ابی العباس مرسی کا امتحان۔ بعض نے حرام کھانا پیش کیا۔ صرف ہاتھ لگانے سے رگ نے حرکت کی تو ہاتھ بند کر دیا۔

۱۹۔ **مسافت بعید سے چیز کو دیکھ لینا:** ابو اسحاق شیرازی خانہ کعبہ کو بغداد سے دیکھتے تھے۔

۲۰۔ **ہیبت بایزید بسطامی:** آپ کو دیکھنے سے اعضاء شل ہو جاتے یا آدمی مر جاتا تھا۔

۲۱۔ **ظالموں کے شر سے بچنا:** امام شافعیؒ ہارون الرشید کے شر سے بچے اس کا قتل کا ارادہ تھا۔

۲۲۔ **مختلف صور اختیار کرنا:** اس کو صوفی عالم مثال کہتے ہیں۔ بعض صوفیوں کو خانہ کعبہ اور دوسرے مقام میں معاً دیکھا گیا۔ قضیب البان موصلی ابدال تھے کسی نے کہا کہ یہ نماز نہیں پڑھتے فوراً صورت بدل لی۔ اس میں حکایات بہت ہیں۔

۲۳۔ **زمین کے ذخائر پر اطلاع پانی:** ابی تراب نے زمین پر پاؤں مار کر پانی شیریں نکالا۔

۲۴۔ **تھوڑے زمانے میں بہت کام کرنا:** مثل تصنیفات کی۔ امام شافعیؒ نے بہت تصنیفیں کیں۔ حالانکہ ختم قرآن مجید روزانہ تدبر سے رمضان میں دو ختم، درس فتویٰ، امراض وغیرہ کچھ مخل نہیں تھے۔ اسی طرح امام الحرمین اور نووی و تقی الدین سبکی کرتے تھے۔

۲۵۔ **کسی چیز زہریلی اور مہلک کا اثر نہ ہونا:** ایک بادشاہ کے پاس ایک صوفی تھا اس نے کئی کرامتیں دکھائیں۔ بادشاہ نے کہا یہ جادو ہے۔ بادشاہ نے زہر کا پیالہ پینا سچا ماننے کے لئے حجت ٹھہرایا، وہ پی گیا، کپڑے پھٹ گئے، کئی مرتبہ ایسا ہوا یہاں تک کہ اس کے کپڑے واپس ہوئے، زہر نے کچھ اثر نہ کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان اقسام میں حکایات و روایات تواتر سے ہیں۔ جن سے گمراہ آدمی کے سوا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ (طبقات الکبریٰ، تاج الدین سبکی شافعی جلد دوم، ۷۵ تا ۷۸)

اب ذیل میں مسئلہ توسل ابن تیمیہ کی کتاب قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ اور سمہودی کی کتاب وفاء الوفا سے درج کیا جاتا ہے۔

الوسیلہ: وسیلہ اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے غیر کا قرب حاصل کیا جائے اور اس کے چند اقسام ہیں۔

۱۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے توسل حاصل کرنا۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اوپر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اتباع کرنا۔

۲۔ دوسرا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعا سے نفع حاصل کرنا اور آپ ﷺ کی شفاعت کا یقین رکھنا۔ یہ دونوں قسمیں بالاتفاق جائز ہیں۔ قبل الوصال اور بعد الوصال اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کسی کا اختلاف نہیں۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے حق سے وسیلہ پکڑنا اور یہ کہنا بحق محمد ﷺ یا بحرمت محمد ﷺ کہہ کر وسیلہ پکڑا اور حق سے مراد حق فضلی ہے۔ اللہ جل شانہ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ خداوند کریم نے فرمایا ہے و کان حقاً علینا نصر المؤمنین اور آئمہ نے جو کہا ہے دعا میں بحق فلاں کہنا منع ہے تو حق سے حق واجبی انہوں نے مراد لیا ہے۔ تو اب اختلاف جاتا رہا۔ نبی کریم ﷺ سے وسیلہ پکڑنے کے تین طریقے اور ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہانے فرمایا روضہ شریف میں سوراخ کردو بارش ہو جائے گی

(۱) ایک یہ کہ حضور ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے توسل پکڑنا۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور ﷺ کی روح سے توسل پکڑا۔ ربنا انی اسکنت ۔۔۔ الخ اس میں نیشاپوری لکھتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وسیلہ پکڑا ساتھ نبی کریم ﷺ کے قبولیت دعا میں گویا آپ یوں کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ اگر ضائع کرے تو حاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو تو ضائع کرے گا تو محمد ﷺ کو۔ مفسر کامل نیشاپوری نے اس کی تصریح کی ہے اور یہ نہایت دقیق استنباط ہے۔

(۲) دوسرا قسم توسل کا حضور ﷺ کے عین حیات میں۔ اس میں کوئی کلام نہیں یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

(۳) اور ایک توسل حضور ﷺ کے انتقال کے بعد۔ اس میں واقع ایک نابینا کا عثمان بن مظعون کے پاس آنا اور عثمان بن مظعون کا اس کو یہ کہنا کہ یہ دعا مانگ۔ اللھم انی ادعوک بحق نبیک محمد ﷺ۔ اور یہ واقعہ صحیح ہے اور اس کو محدثین نے صحیح تسلیم کیا ہے اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط سالی ہوئی ایک آدمی روضہ اقدس کے اوپر گیا اور حضور ﷺ کو ندا کر کے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ امت کے لئے طلب بارش کی دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے خواب میں اسے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کہ وہ دعا کریں وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی نے استیعاب میں اس کی تصریح کی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ مدینہ شریف میں قحط پڑا۔ لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے روضے میں جا کر سوراخ کردو۔ بارش ہو جائے گی۔ محدث کبیر دارمی نے اس واقعہ کو اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل تھا کہ جب کوئی ان کو مصیبت آتی تو روضہ اقدس پر جا کر خدا سے دعا کرتے تھے اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں مگر بخوف طوالت یہاں درج نہیں ہوسکتیں اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ اللھم انی اسئلک بحق السائلین الیک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے باقی ارواح سے بھی توسل پکڑا ہے اس میں عطیہ عوفی راوی ہیں۔ ان کو یحییٰ بن معین شیخ بخاری نے ثقہ لکھا ہے۔ تو ابن تیمیہ کا ضعیف کہنا صحیح نہیں۔ ارواح بالاتفاق زندہ ہیں اور ارواح عالم مثال میں دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو شکست دیتے ہیں۔ جیسا کہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اب مثلاً دیکھئے کہ زہر کھانے سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے یہ زہر کی خاصیت ہے۔ آگ جلا دیتی ہے۔ اور سقمونیا اسہال پیدا کرتا ہے۔ جب ان چیزوں میں خدا نے یہ خواص رکھے ہیں جیسا کہ کل ادویہ میں اور ان کی تاثیر کے قائل ہونے سے شرک لازم نہیں آتا تو پھر ایک کامل کی روح میں اللہ جل شانہ یہ تاثیر رکھ دے تو کیا عجب ہے؟ اور وحید الزماں اہلحدیث نے اس مسئلہ کو بڑے زور سے کتاب ہدیۃ المہدی میں لکھا ہے اور منکرین کا کافی رد کیا ہے اور منکرین نے جو آیات اس کے رد میں لکھی ہیں وہ سب مشرکین کے حق میں ہیں۔ ان سب میں یہ ذکر ہے کہ وہ لوگ غیر سے دعا کیا کرتے تھے یا غیر کو معبود سمجھتے تھے۔ یہ بالاتفاق شرک ہے۔ نہ یہ کہ غیر کو وسیلہ بنانا۔ وسیلہ کا منکر بغیر خوارج کے مسلمانوں میں سے کوئی فرقہ نہیں۔

سماع موتےٰ: سماع موتیٰ کے کل آئمہ قائل ہیں۔ امام الائمہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو انکار سماع موتیٰ منسوب کیا جاتا ہے وہ محض بہتان ہے۔ مولوی عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی نے حاشیہ شرح وقایہ پر اس کا بڑے زور سے رد کیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ "بعض مشائخ حنفیہ اس کا انکار کرتے ہیں" تو ان کی مراد ان مشائخ سے معتزلہ ہیں اور متقدمین حنفیہ کی کتب میں یہ مسئلہ کہیں

دستیاب نہیں ہوا۔ البتہ ان کی عبارتوں سے سماع موتی لازم آتا ہے۔ تمام کتب فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ جب زیارت قبر کے واسطے جاؤ تو میت کے پاؤں کی طرف سے جاؤ تاکہ میت کو دیکھنے میں تکلیف نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ میت کی قوت باصرہ موجود ہے اور جب قوت باصرہ (جس کے ذریعے وہ آنے والے کو دیکھتا ہے) اس کی موجود ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قوت سامع اس کی موجود نہ ہو۔ (جس سے وہ آنے والے کی آواز کو سن سکے) اور آیت کریمہ انک لا تسمع الموتی کے مفسرین نے وہ معنی کیئے ہیں جن سے سماع موتی کی نفی نہیں ہوتی اور متاخرین حنفیہ نے اس مسئلے کو صاف طور پر مانا ہے۔ مثلاً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں، قاضی ثناء اللہ نے اپنے رسالے احوال الموتےٰ والقبور میں، اور بحر العلوم نے ارکان اربعہ میں۔ ان سب حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ حنفیہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ باقی احادیث میں تو یہ مسئلہ طے شدہ ہے اور شیخ ابن تیمیہ کے عالی قدر شاگرد رشید حافظ ابن قیم جیسے متشددین تک نے اس کو تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ اپنی تصنیفات میں بالوضاحت تحریر بھی کر دیا ہے۔

ثبوت نبوت آنحضرت ﷺ: (یہ مضمون علامہ یوسف نبہانی نے امام ماوردی سے نقل کیا ہے جسے عامۃ المسلمین کے فائدہ کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ مؤلف)

انسان کے کمالات چار طریقوں سے معتبر ہوتے ہیں۔

۱۔ کمال خُلق ۲۔ کمال خَلق۔ ۳۔ گفتگو میں بہتری ۴۔ اعمال میں بہتری

۱۔ پہلی وجہ حضور ﷺ کے کمال اعتدال صورت کے بعد چار اوصاف سے ہوتی ہے۔ طمانیت جو ہیبت اور تعظیم پر برانگیختہ کرتی ہے اور تقدیم و تسلیم کی طرف داعی ہے اور حضور ﷺ کا رعب دلوں میں بہت ہی تھا۔ یہاں تک کہ سفرائے کسریٰ حضور ﷺ کے رعب سے کانپ گئے۔ باوجود کہ اکاسرہ اور بادشاہوں کے رعب داب وجبروت کا مشاہدہ کئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے رعب نے ان کے دلوں پر ایک خاص ہی دہج جما دی اور ان کی آنکھوں میں ہیبت کا خاص ہی نقشہ پھر گیا۔ باوجود کہ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اپنے سطوت وجبروت کا کسی طرح اظہار نہیں فرمایا بلکہ حضور ﷺ تو تواضع اور خاکساری میں مشہور تھے۔

آپ کی فصاحت وطلاقت لسان جو اخلاص ومحبت وصفا کی باعث تھی اور حضور ﷺ سب کے محبوب تھے اور حضور کی فصاحت لسانی لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کی دوری کسی کو گوارا نہ تھی اور حضور ﷺ صحابہ کو اپنے باپ بیٹے اور پیاسے کے لئے سرد پانی سے بھی بہت عزیز تھے۔

آپ ﷺ کی قبولیت جوانوں کو جذب کرتی تھی یہاں تک کہ حضور ﷺ کی موافقت اور تابعداری پر لوگ جلدی کرتے تھے اور آپ کی قبولیت دلوں پر غالب تھی اسی لئے حضور ﷺ کی محبت دلوں میں پختہ ہو گئی تھی یہاں تک کہ آپ سے کوئی معاند (ضدی) اور وحشی نفرت نہیں کرتا تھا مگر حسد اور بدبختی کی وجہ سے۔

دلوں کا میلان حضور ﷺ کی تابعداری کی طرف اور ان کا ثابت رہنا باوجود حضور ﷺ کی شدت اور صبر کے اور یہ چار باتیں نیک بختی اور قوانین رسالت میں سے ہیں اور یہ اوصاف حضور ﷺ میں اعلیٰ درجے پر موجود تھیں۔

۲۔ دوسری وجہ خصائل سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کا کمال عقل وفہم اور صحیح فراست اور حضور ﷺ کی عمدہ رائے وتدبیر اس پر دال ہے اور حضور ﷺ کبھی کسی تدبیر میں غافل نہیں ہوئے اور کبھی کسی سختی سے عاجز نہیں ہوئے اور حضور ﷺ مبادی سے انجام کار کا ملاحظہ فرما لیتے اور اس کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر اور مشکلوں کو حل فرما دیتے اور یہ بات بغیر اعلیٰ فہم اور مصمم ارادہ کے نہیں ہو سکتی۔

سختیوں میں ثابت قدم رہنا۔ تکلیف میں صبر کرنا اور مختلف احوال میں حضور ﷺ کا دل مطمئن رہتا تھا اور سختی وشدت میں حضور ﷺ پر کبھی گھبراہٹ نہ طاری ہوتی تھی حضور ﷺ اگر کسی کام میں مشغول ہو جاتے تو اس کے پورا کرنے پر قادر ہوتے اور آپ مستقل مزاجی وصبر سے کام لیا کرتے۔ آپ کو قریش مکہ سے وہ باتیں پہنچیں جو جوان کو بھی بوڑھا کر دیں اور قلعوں کو گرا دیں لیکن حضور ﷺ باوجود ظاہری کمزوری کے بھی صبر واستقلال سے کام لیتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا سے جس قدر ڈرتا ہوں اور کوئی نہیں ڈرتا اور خدا کے راستہ میں جس قدر میں تکلیف دیا گیا ہوں اتنی اور کوئی نہیں دیا گیا۔ اور تیس دن رات مجھ پر ایسے گزرے کہ میرے اور بلال کے واسطے کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ جو شخص کہ خدا کے راستے میں ایسی مصائب برداشت کرے اس کا طالب دنیا ہونا محال ہے اور

حضور ﷺ جو کچھ کرتے محض طلب آخرت کے لئے کرتے۔

تیسری خصلت یہ ہے کہ حضور ﷺ کا زہد و ورع: اور تھوڑی شے پر قناعت کرنا اور دنیا کی تازگی و شادابی کی طرف مائل نہ ہونا یہ آپ کی عادت جبلی تھی۔ مروی ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ کو دنیا میں اتنے خزائن دیئے جائیں جو کسی کو نہیں دیئے گئے اور پھر آخرت میں بھی آپ کے درجات کچھ کم نہ ہوں تو آپ کو منظور ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تو سب کچھ قیامت ہی میں لوں گا۔ تو نازل ہوئی آیت تبارک الذی تا قصورا تک۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کو ایک حبر کین چادر اور تہ بند کھدر کا دکھایا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کا انتقال انہی پارچات میں ہوا ہے۔ باوجودیکہ حضور کے قبضہ میں پورا حجاز اور کنارہ عراق اور انتہا یمن اور عمان تک تھا اور باوجود ان سب باتوں کے حضور دنیا سے اعراض فرماتے اور آپ نے پیچھے کچھ مال دنیا بھی نہ چھوڑا اور آپ نے نہ کوئی نہر کھدوائی اور نہ کوئی محل بنوایا اور اپنے اہل و عیال کو مال و اسباب کا وارث نہ بنایا تاکہ وہ بھی دنیا سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے کہ حضور خود تھے اور آپ نے اپنے خلفائے راشدین کو بھی ترک دنیا کی تعلیم فرمائی جو شخص اس قسم کا تارک دنیا ہو وہ آخرت کے بارے میں ہرگز اللہ پر بہتان نہیں لگا سکتا اور نہ اس کو طلب دنیا کی تہمت لگائی جا سکتی ہے۔

چوتھی خصلت آپ ﷺ کا لوگوں سے تواضع سے پیش آنا باوجودیکہ لوگ آپ کے تابع ہوتے تھے۔ آپ ہر طرح نرمی سے برتاؤ کرتے تھے باوجودیکہ آپ کی ہر طرح سے اطاعت کی جاتی تھی۔ آپ بنفس نفیس بازاروں میں ضروریات کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور فرش خاکی پر رونق افروز ہوتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خوش طبعی سے پیش آتے تھے صحابہ اور حضور ﷺ کے درمیان سوائے اس کے کوئی تمیز نہ تھی کہ آپ از حد حیا سے نیچی نظر دیکھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ تواضع سے متمیز اور انکساری کے باعث معزز تھے۔ باوجود جمیع اوصاف حمیدہ کے ہیبت کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ ایک دیہاتی آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی ہیبت کے باعث وہ خوف زدہ ہو گیا۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ بے خوف رہو گھبراؤ نہیں کہ میں بھی ایک ایسی ہی والدہ کا بیٹا ہوں جو مکہ میں دوسری عورتوں کی طرح خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ یہ آنحضرت ﷺ کے شرف اخلاق اور اوصاف کریمانہ سے ہے اور یہ آپ کی جبلی طبیعت تھی۔

پانچویں خصلت آپ کے حلم و وقار کے بیان میں۔ آپ گفتگو میں ہر حلیم سے زیادہ حلیم تھے اور خصومت میں ہر سلیم سے زیادہ سلیم اور حضور ﷺ ستم میں کئی دفعہ آزمائے گئے اور آپ سے کوئی بات ناگوار صادر نہ ہوئی اور کبھی آپ کی بات میں جلدی نہ پائی گئی اور آپ کے سوائے کوئی حلیم نہیں مگر صاحب لغزش کا۔ آپ کے سوائے کوئی صاحب عزت نہیں مگر لغزش خورد۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہوا نفسانی اور قدرت غصہ سے محفوظ رکھا ہے اور لغزش سے بھی تاکہ آپ اپنی امت اور خلق خدا پر شفقت کرنے والے ہوں۔ قریش نے آپ کو ہر قسم کی تکلیف دی مگر آپ ہر طرح صبر سے کام فرماتے رہے اور انتقام نہ لیتے تھے بلکہ آپ کے خلاف ان کے بڑے اور چھوٹے مدد کرتے تھے۔ ان حرکتوں کی وجہ سے آپ کی بردباری اور حلیمی زیادہ ہوتی تھی۔ پس جب وہ لوگ زیادہ پیچھا کرتے تھے تو حضور ﷺ ان سے روگردانی کرتے تھے اور باوجود قدرت کے معاف فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت جب سب قریش آپ کے پاس جمع تھے تو فرمایا آپ نے مجھ پر تمہارا کیا گمان ہے؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے کریم چچا کے بیٹے ہیں اگر معاف فرما دیں تو یہی ہمارا گمان آپ کی نسبت ہے اور اگر انتقام لیں تو ہم نے برا ہی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم. پھر فرمایا اللھم قد اذقت اول قریش نکالا فاذق آخرھم نوالا. ترجمہ اے اللہ! تو نے پہلے قریش کو عبرت چکھائی اور آخر کو آرام دے۔"

چھٹی خصلت وعدہ کی حفاظت: آپ نے کبھی عہد شکنی نہیں کی اور آپ غدر کو بھی گناہ کبیرہ خیال فرمایا کرتے تھے اور آپ خلاف وعدہ کو سخت بری عادتوں سے بتاتے تھے۔ آپ وعدہ کی ہر طرح سے پوری پابندی فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے مخالفین پہلے عہد شکنی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس میں آپ کی بہتری کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ واقعہ صلح حدیبیہ اور واقعہ یہود بنی قریظہ کا ایسا ہی ہوا اور ان کو عہد شکنی میں خسارہ اٹھانا پڑا۔ یہ سب افعال عطا الٰہی اور فضل عظیم میں سے ہیں۔

۳۔ **تیسری وجہ** آپ کے اقوال مبارکہ میں: اور یہ آٹھ طریقوں سے ہے۔

ایک ان میں سے یہ ہے کہ آپ حکمت بالغہ اور علوم اعلیٰ عطا کئے گئے حالانکہ آپ امی تھے نہ لکھنا سیکھا اور نہ علم پڑھا اور آپ ایسی تقریر فرمایا کرتے تھے جس سے عقلمند اور ذکی الطبع لوگ حیران ہو جایا کرتے تھے اور کسی قول اور فعل میں لغزش نہیں کھائی۔ آپ ﷺ نے اپنی شریعت کا دارومدار چار حدیثوں میں رکھا۔ پہلی حدیث۔ انما الاعمال بالنیات۔ دوسری حدیث الحلال بین والحرام بین۔ تیسری حدیث من حسن اسلام المرء ترک مالا یعنیہ۔ چوتھی حدیث دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک۔

دوسری خصلت۔ آپ کا قصص انبیاء اور پہلی امتوں کے واقعات محفوظ رکھنا حتیٰ کہ کوئی ان میں سے نہ چھوڑا اور یہ سب کچھ ذہن صحیح اور سینہ فراغ اور دل کی صفائی کی وجہ سے تھا۔ نہ کسی کتاب سے یاد کیا اور نہ کسی شخص کی زبان سے سنا۔ یہ تینوں امور اصل ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کے لئے ودیعت رکھے ہیں اور ان امور کی وجہ سے جو شخص کامل بوجہ اتم متصف ہو وہ نبی ہونے کے زیادہ قابل ہے۔

تیسری خصلت۔ آپ ﷺ نے واضح دلیل کے ساتھ احکام بیان فرمائے اور واضح کر کے سمجھائے کوئی عقلی بات نہ چھوڑی اور دقیق بات اس میں داخل نہ کی۔ اسی واسطے آپ نے فرمایا "میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں" کیونکہ آپ چند ہی الفاظ میں بہت سے معانی مطالب بیان فرما دیتے تھے اور آپ ﷺ نے تقریر کو کبھی طول نہیں دیا۔ حالانکہ مسائل کو صاف کر دیا یہ سب کچھ آپ کو اللہ کی عنایت سے عطا ہوا۔

چوتھی خصلت۔ حضور ﷺ نے عمدہ اخلاق اور اچھے آداب کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً صلہ رحمی، یتیموں اور کمزوروں کی امداد کرنی، بغض اور حسد سے منع فرمایا جیسا کہ احادیث مبارکہ میں مشہور ہے تاکہ ان میں فضیلتیں اور اخلاق اور آداب اعلیٰ درجہ کے ہوں اور وہ نیکی کی طرف جلدی کریں اور بدی سے دور رہیں اور کنتم خیر امۃ کے مصداق بن جائیں اور اوامر اللہ تعالیٰ کو مضبوط کریں اور نواہی سے باز رہیں اور ان میں دین و دنیا کی بہتری کامل طور پر موجود ہو۔ حتیٰ کہ ان کے سبب اسلام غالب ہو اور شرک و کفر ذلیل و خوار ہو جائے اور آپ ﷺ کی امت برگزیدہ امام ہو جائیں۔

پانچویں خصلت۔ سوال و جواب واضح اور مقابلہ میں حجت صحیح پیش کرنی۔ جب کبھی کوئی مقابل آپ کے پیش آتا تو آپ واضح جواب اور مکمل دلیل فرماتے حتیٰ کہ ایک مرتبہ ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی قبرستان سے آپ کے پاس اٹھا لایا اور کہا کہ اے محمد ﷺ تو ایک بڑی بات کہتا ہے کہ یہ ہڈی باوجود اتنی بوسیدہ ہونے کے پھر زندہ ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو کبھی کسی نے نہیں کہی۔ تو اللہ نے آپ کے لئے یہ قوی دلیل فرمائی قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ الایۃ وہ حیران ہو کر واپس چلا گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ جب آپ نے فرمایا کہ کوئی مرض متعدی نہیں اور بدشگونی اسلام میں جائز نہیں۔ تو ایک شخص نے کہا کہ ہمارے اونٹ جب دوسروں سے ملتے ہیں تو خارش ان کو بھی ہو جاتی ہے تو ارشاد فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش کی ہے۔ وہ شخص چپ ہو گیا۔

چھٹی خصلت۔ آپ کی زبان مبارک تغیر اور تبدل سے محفوظ تھی اور ایسی خبر کو بیان کبھی نہ فرماتے جو کہ جھوٹ کی طرف سے منسوب ہو۔ آپ بچپن سے لے کر اخیر عمر تک صادق اور امین مشہور تھے۔ کل قریش آپ کی صداقت کے قائل تھے اور بعد نبوت آپ کو بطور حسد اور بغض نے بطور تکبر جھوٹا کہا اور بعض نے اس امر کو بعید سمجھا کہ آپ نبی ہوں اور اگر ان کو ایک بھی آپ کا جھوٹ معلوم ہوتا تو وہ لوگ آپ کے جھٹلانے کے لئے بطور دلیل پیش کرتے اور جو شخص بچپن میں سچا ہو وہ بڑا ہو کر زیادہ سچا ہوتا ہے اور جو شخص اپنے حق میں جھوٹ سے پرہیز کرتا ہے وہ خدا کے حقوق میں اعلیٰ درجہ کا پرہیز کرنے والا ہوگا۔ بس منکر اور ضدی شخص کے واسطے یہی دلیل کافی ہے۔

ساتویں خصلت۔ آپ کے کلام اور تقریر میں میانہ روی تھی۔ آپ اپنی ضرورت کے مطابق اظہار فرماتے تھے اور بہت لمبی گفتگو نہیں فرماتے تھے اور کسی قسم کی گفتگو میں آپ کو رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی۔ اور آنحضرت ﷺ حاجت اور کفایت کے سوا اچھے تھے لوگوں میں سے چپ کے لحاظ سے اور اچھے تھے اخلاق کے لحاظ سے۔ اسی واسطے آپ کا کلام بغیر خلل کے محفوظ رہتا تھا اور آپ کی زبان میں رونق ہوتی تھی کہ لوگ اس کو بغیر تنگی کے شیریں سمجھتے تھے یہاں تک کہ دلوں میں محفوظ رہتا اور کتابوں میں لکھا جاتا تھا اور کثرت سے گفتگو کرنا لغزش سے سالم ہر گز نہیں رہ سکتا اور زیادہ کوئی ملال سے سالم نہیں رہتی۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک اعرابی کلام کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تیری زبان کے پاس کتنے پردے ہیں۔ اس نے کہا کہ ہونٹ اور دانت۔ آپ نے فرمایا اللہ مکروہ جانتا ہے زیادتی کلام کو۔ پس تازہ کرے اللہ تعالیٰ اس شخص کی حالت کو جو چھوٹا کرے زبان اپنی کو اپنی حاجت پر۔

آٹھویں خصلت۔ حضور ﷺ تمام لوگوں سے فصیح اور بلیغ تھے اور بیان صاف فرماتے تھے اور کلام مختصر اور الفاظ پاکیزہ اور معانی عمدہ جن میں نہ تکلف تھا نہ بناوٹ۔ بلاغت کے کل شرائط آپ میں موجود تھے اور طریق فصاحت کو اعلیٰ طور پر بیان فرماتے تھے اور اگر آپ کا کلام غیر کے کلام کے ساتھ مل جائے تو بخوبی ممتاز ہو جاتا ہے اور غیر کے کلام میں آثار تنافر ظاہر ہو جاتے ہیں اور آپ کے کلام میں جھوٹ اور باطل کی مطلق آمیزش نہ ہوتی تھی۔ باوجود ان امور کے آنحضرت ﷺ نے کسی بلیغ اور فصیح کی مجلس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہ سب آپ کی فطرت سلیمہ اور قوت قدسیہ کا نتیجہ تھا۔

۴۔ **وجہ چوتھی۔** اس میں بھی آٹھ خصلتیں ہیں۔ ذیل میں آپ کی اعلیٰ سیاست اور عمدہ عادت کا بیان ہے شریعت آپ کی یہاں تک پختہ ہو گئی اور اعلیٰ تدبیر آپ نے اس کو وضع کیا اور شریعت کو امت آنحضرت ﷺ نے نقل فرمایا اور ہر طریقہ دین کو پھیلا دیا یہاں تک کہ نفوس بنی آدم مطیع

اور منقاد ہو گئے اور یہ باتیں ان کی عادت میں داخل ہو گئیں۔ یہ نہیں ہو سکتا مگر اس شخص سے کہ تائید الٰہی جس کے ساتھ ہو اور وہ ارادہ کا سچا ہو۔ اگر یہ خدا کی طرف سے ہے تو زبردست حجت ہے اور اپنا اجتہاد ہو تو اعلیٰ معجزہ ہے اور حضور کی نبوت پر کافی دلیل ہے کہ آپ کے قانون دائمی ہیں یہاں تک کہ دلیلوں سے ہماری طرف آئے اور ان کی حلاوت زیادہ ہوتی گئی۔ اہل عصر اس کو ہر زمانے کے انتظام کے لئے کافی تصور ہے گو زمانہ تبدیل ہوتا رہے۔ آپ کی نبوت پر یہ کافی دلیل ہے جس میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔

دوسری خصلت۔ حضور ﷺ نے اپنی رغبت اس شخص پر ظاہر کی جس نے آپ کی طرف میلان کیا اور خوف خدا کو اس شخص پر ظاہر کیا جو آپ سے دور ہوا۔ جتنے وعدہ اور وعید یہاں تک کہ ہر دو گروہ آپ کی امداد پر کمر بستہ ہو کر جمع ہو گئے۔ واسطے خواہش بہتری کے اور واسطے خوف زوال نعمت دائمی آخرت اور نازل ہونے عذاب کے۔ اسی لئے دین اور بہتری ہمیشہ رہی کیونکہ بغیر خوف اور رجا کے دنیا اور آخرت میں نجات نہیں ہو سکتی۔

تیسری خصلت۔ آپ نے شریعت میں میانہ روی اختیار کی اور سختی میں نصاریٰ کی طرح غلو نہیں کیا اور نہ یہود کی طرح کوتاہی کر کے عذر بیان کیا جو طریقہ انصاف سے تجاوز کرے اس کے لئے کوئی حصہ رشد اور درستگی سے نہیں ہوتا۔

چوتھی خصلت۔ کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو دنیا جمع کرنے کی یہود کی طرح رغبت نہیں دی اور نہ نصاریٰ کی طرح بالکل ترک دنیا کو فرمایا، بلکہ فرمایا کہ بقدر ضرورت دنیا کماؤ اور اس کی طرف زیادہ راغب نہ ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا بہتر تمہارا وہ ہے جو دین و دنیا سے حصہ لے۔

پانچویں خصلت۔ آنحضرت ﷺ کا دین اور احکام دین ظاہر کرنے کے درپے ہونا۔ یہاں تک کہ حرام اور حلال اور مکروہ مباح سب بیان فرما دیئے اور معاملات وعبادات کی پوری تفصیل فرما دی۔ یہود ونصاریٰ اکثر معاملات اور وراثت میں آنحضرت ﷺ کی شریعت کی طرف مجبور ہوا کرتے تھے اور آپ کی شریعت کسی غیر کی شریعت سے بے پرواہ ہے پھر اپنی شریعت کے واسطے قانون تیار فرمائے تاکہ آئندہ واقعات عالم کے لئے دلیل ہوں اور احکام مستنبط کے لئے اصول بیان فرمائے اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نص سے استغنا ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ شاہد غائب کو تبلیغ کرے تاکہ اظہار اور انذار پورے طور پر ہو جائے۔ فرمایا "بلغوا عنی" پس نص سے آنحضرت ﷺ نے اپنی شریعت کو مضبوط اور مستحکم کر دیا اور غائب وحاضر پر عام کر دیا بعد ازاں حاملان شریعت نے اس کو پورا ادا کیا اور مجتہدان شریعت نے حقوق امت پورے کر دیئے تاکہ حقوق اللہ میں کوتاہی نہ ہو اور مصالح امت میں خلل نہ ہو اور یہ سب کچھ قلیل زمانہ میں ہی انجام پذیر ہوا۔

چھٹی خصلت۔ دشمنوں کے جہاد کے لئے حضور کا کھڑا ہونا۔ جبکہ انھوں نے آپ کے ہر پہلو کو گھیر لیا تھا اور آپ کی فوج کی مقدار بہت تھوڑی تھی اور حضور کی طفیل ان کی قلت کثرت سے اور ذلت عزت سے بدل گئی اور آپ کی شان وشوکت کو دیکھ کر دشمن تھرانے لگے اور آپ کو رعب سے نصرت ملی اور آپ کو نشر دین اور جہاد میں کامل فتح حاصل ہوئی اور ان دو امور کا حاصل کرنا مشکل امر ہے مگر جس کی اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کرے۔

ساتویں خصلت۔ حضور ﷺ کے ساتھ شجاعت اور بہادری مخصوص تھی اور دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھانا آپ کی وصف خاص تھی۔ آپ جس بھی سخت سے سخت لڑائی اور گھمسان کے معرکے میں داخل ہوئے تو آخر میں فتح ونصرت نے حضور کے قدم چومے اور آپ نے نہ کبھی میدان جنگ میں پیٹھ دکھائی اور نہ ہی کبھی مرعوب ہوئے بلکہ آپ ہمیشہ اپنی پیدائشی شجاعت وبسالت اور ثابت قدمی پر جمے رہے۔ جنگ حنین میں جبکہ حضور ایک ضعیف کمزور خچر پر سوار تھے تو آپ کے ساتھ صرف نو آدمی جان نثار رہ گئے اور باقی سب کے سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور حضور اپنے صحابہ کو پکار پکار کر فرما رہے تھے "انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب" (خدا کے بندو میری طرف آجاؤ) یہ سن کر سب کے سب یکے بعد دیگرے لوٹ آئے۔ قبیلہ ہوازن نے لوٹ کر حملہ کیا مگر باوجود ان کی کثرت کے حضور مرعوب نہ ہوئے اور نہیں ڈرے۔ رسول اللہ ﷺ جنگ میں اس شخص سے جس نے گھور کر مقابلہ کیا اور نہیں واپس لوٹے آپ جنگ میں اس شخص سے جس نے صبر سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو بہادر فوج کے ساتھ مضبوط کیا جس کی وجہ سے آپ ثابت قدم اور باصبر رہے یہاں تک کہ فتح کامل حاصل ہوئی اور آپ کی اس بہادری کی کوئی نظیر نہیں۔ مدینہ منورہ میں ایک دفعہ گھبراہٹ طاری ہوئی۔ لوگ آواز سن کر جمع ہوئے۔ سب سے پہلے ان کو ﷺ نظر آئے جو ابی طلحہ کے برہنہ پشت گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں ننگی تلوار لئے فرما رہے تھے کہ "اے لوگو! مت ڈرو" اور ابی طلحہ سے فرمایا کہ تمہارا گھوڑا دریا ہے باوجودیکہ وہ گھوڑا سست رفتار تھا اس کے بعد کوئی گھوڑا تیزی میں اس سے کبھی سبقت نہیں لے گیا اور یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ آپ کو صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ خدا ضرور دین کی مدد کرے گا اور وہ آخر غالب ہو کر رہے گا جیسا کہ فرمایا لیظہرہ علی الدین کلہ اور حضور کے قول کہ زویت لی الارض اور یہ دلائل حضور کی نبوت کے لئے کافی شہادت ہیں۔

آٹھویں خصلت۔ حضور ﷺ کو جو سخاوت اور دریا دلی اللہ تعالے نے عطا فرمائی ہے یہاں تک کہ ہر ایک چیز کو آپ کی سخاوت سے حصہ ملا اور ہر مرغوب و پسندیدہ چیز کا ایثار کیا اور جب حضور کا انتقال ہوا تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن پڑی تھی۔ باوجود کہ آپ جزیرۃ العرب کے مالک و بادشاہ ہو چکے تھے۔ جو لوگ پہلے عرب کے بادشاہ ہوئے ہیں وہ خزانوں کے مالک تھے اور بطور ذخیرہ مال کو جمع رکھتے اور وہ خوشحالی و ثروت پر انہیں تکبر و ریا کی وجہ سے فخر ہوتا اور ان سب کی سلطنتوں پر آخر حضور غالب آگئے اور آپ نے ایک حب بھی اپنے پاس نہ رکھا اور آپ کی روٹی سوکھی اور کپڑا موٹا ہوتا اور اچھی عمدہ چیزیں اور لوگوں کو عنایت فرما دیتے اور آپ مفلسی کے کڑوا پن کا گھونٹ پیا کرتے تھے اور پراگندگی حالت پر صبر فرماتے آپ کے پاس جنگ ہوازن کا مال غنیمت آیا جو کہ 6 ہزار قیدی، 24 ہزار اونٹ، 40 ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ سیم تھا۔ آپ نے یہ سب مال لوگوں میں تقسیم کیا اور خالی ہاتھ گھر تشریف لائے کیا ایسی سخاوت کی مثال دنیا میں کہیں موجود ہے؟۔

یہ آپ کے فضائل کا کمال بہت ہی تھوڑا بیان کیا گیا ہے۔ ہر ایک ملحد و زندیق و منافق نے آپ کے قول و فعل میں عیب جوئی کی کوشش کی اور اپنی افترا پردازیوں سے فتح حاصل کرنا چاہی مگر اسے کوئی موقع نہ ملا۔ جس شخص کی فضیلتیں اور کمالات انتہا کو پہنچ جائیں اور اس کی فضیلتیں حد بیان سے گذر جائیں تو یقیناً ایسا شخص تمام خلقت کی بہتری اور تمام عالم کی ضمان کا اہل ہوتا ہے۔ فساد کے دور کرنے اور اصلاح کے حصول کے لئے انسان میں بغیر نبوۃ کے اور کوئی درجہ نہیں لہٰذا نبوۃ کا اہل ایک انسان کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نبوت کی خلعت سے مزین فرما کر مبعوث کئے گئے۔ آپ نبوت کے مناسب اور نبوت آپ کے مناسب ہے اور حضور ﷺ کے پاس جب نبوت آئی آپ نے کبھی غفلت سے کام نہیں لیا۔ یہ حضور کی صدق نبوت پر ایک واضح دلیل ہے۔ ظہور کے بعد بغیر شقی کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ (از کتاب حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین مصنفہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۶۶ تا ۶۷۳)

اماماں دین کے باہمی اختلافات اور ان کے اسباب

جو اختلاف آئمہ کے درمیان فروعات میں ہوتا ہے اس کی آٹھ اقسام ہیں۔

۱۔ لفظ اور معانی کا مشترک ہونا ۲۔ حقیقت اور مجاز ۳۔ افراد اور ترکیب ۴۔ عموم اور خصوص

۵۔ روایت اور نقل ۶۔ اجتہاد ان مسائل میں جن میں نص نہیں ۷۔ ناسخ اور منسوخ ۸۔ اباحت (مباح ہونا)

قسم اول۔ جو لفظوں میں مشترک ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوتا ہے وہ تین قسم پر ہے۔

۱۔ مشترک ہونا لفظ مفرد کے موضوع میں

۲۔ لفظ کے حالوں میں اعراب وغیرہ میں اشتراک

۳۔ وہ اشتراک جو لفظوں کی ترکیب کو واجب کرتا ہے۔

جو اشتراک موضوع لفظ میں ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہے۔ (۱) اشتراک ایسے معنوں میں جو مختلف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی ضد بھی ہیں (۲) اختلاف ایسے معنوں میں جو مختلف نہیں پہلا۔ جیسا کہ لفظ قرء۔ فقہا حجازی کہتے ہیں کہ اس کے معنے طہر ہیں اور عراقی کہتے ہیں حیض ہے۔ ہر ایک واسطے لغت اور حدیث سے شاہد موجود ہے۔ وہ لفظ جس کے کئی معانی غیر مختلف ہوتے ہیں۔ آیت ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم ۔ ایک قوم کہتی ہے کہ اوٗ یہاں واسطے تخییر کے ہے۔ سلطان کو اختیار ہے کہ ان حدود میں سے جو چاہے کرے۔ یہی مذہب ہے امام مالک کا اور ایک دوسری قوم کہتی ہے کہ اوٗ اس جگہ واسطے تفصیل کے ہے کہ جو شخص جنگ کرے اور قتل کرے اور مال لے ان تینوں میں سولی دیا جائے اور جو شخص قتل کرے اور مال نہ لے قتل کیا جائے اور جو شخص مال لے قتل نہ کرے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ یہی مذہب ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

وہ اشتراک جو اختلاف کلمے کی جانب سے ہوتا ہے نہ موضوع کی جانب سے اس کی مثال' ولا یضار کاتب و لا شھید "ایک قوم نے کہا ہے کہ کاتب کو ضرر دینا کیا ہے یہ کہ لکھے وہ چیز جو نہ املاء کروائی جائے اس پر اور شہید کا ضرر یہ ہے کہ گواہی دے خلاف واقعہ کے۔ ایک قوم یہ کہتی ہے کہ ضرر ان دونوں کے یہ معنی ہیں کہ کتابت اور شہادت میں ضرر دیئے جائیں جو شکل ہو اوپر ان دونوں کے اور اس اختلاف کی بنا "یضار" کے معروف اور مجہول پڑھنے کے اوپر ہے۔ معروف ابن عمر کی قرأت ہے اور مجہول ابن مسعود کی۔

وہ اشتراک جو ترکیب کلام کی وجہ سے ہوتا ہے وہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو دلالت کرتا ہے اوپر معانی مختلفہ کے جو آپس میں ضدین ہوں اور ایک ایسا ہے کہ جو دلالت کرے اوپر معانی مختلفہ کے جو غیر ضدین ہوں۔ پہلے کی مثال" و ترغبون ان تنکحوھن "ایک قوم کہتی ہے کہ

رغبت کرتے ہیں ان کے نکاح میں ان کے مال کی وجہ سے۔ دوسری قوم کہتی ہے کہ وہ بے رغبتی کرتے ہیں ان کے نکاح میں ان کی کمی مال کی وجہ سے اور بباعث غیر حسین ہونے کے اور ہر ایک کے واسطے کلامِ عرب میں شاہد موجود ہے۔

دوسری قسم جو دلالت کرتی ہے اوپر معانی مختلفہ غیر ضدین کے اس کی مثال 'وما قتلوه يقينا' ایک قوم کا ضمیر مسیح علیہ السلام کی طرف پھیرتی ہے اور دوسری قوم علم کی طرف پھیرتی ہے جو کہ اس آیت کے ماقبل ہے۔ وما لهم به علم۔ وہ عرب کے اس قول کو دلیل پکڑتے ہیں "قتل الشئی علما" یہ جو بیان ہوا اس کا ذکر ہے جو اختلاف اشتراک الفاظ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اب اس اختلاف کا ذکر ہوتا ہے جو حقیقت و مجاز کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مجاز تین قسم کا ہے۔ (۱) ایک مجاز تو وہ ہے جو عارض ہوتا ہے موضوع لفظ مفرد میں۔ (۲) دوسرا وہ جو واقع ہوتا ہے اس لفظ کے احوال مختلفہ میں۔ اعراب وغیرہ۔ (۳) تیسرا قسم وہ ہے جو ترکیب میں اور بنا بعض الفاظ کی اوپر بعض کے۔ مثال جو مجاز موضوع لفظ میں ہوتا ہے۔ لفظ اسد بول کر مرد بہادر مراد لینا۔ مثال اس کی جو مجاز احوال کی جانب سے ہوتا ہے۔ قول اللہ جل شانہ کا "بل مكر الليل والنهار" مراد اس سے یہ ہے کہ مکر ان کا رات اور دن میں۔ رات اور دن ظرف ہیں مکر کا مضاف الیہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن واقع ہوا یہ مجاز ہے۔ وہ مجاز جو طریق ترکیب سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال صیغہ امر کبھی صورت خبر میں واقع ہوتا ہے اور کبھی صورت انشاء میں جیسا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیتے ہیں۔ اور حجت بول کر غلبہ مراد لیتے ہیں۔ مثلاً "ياهامان ابن لي صرحا"۔

تیسرا قسم وہ اختلاف جو افراد اور ترکیب کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک آیت آتی ہے اس سے غرض پوری نہیں ہوتی تو دوسری آیت سے پوری ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث میں بعض فقہاء ایک آیت کو لیتے ہیں دوسری کو نہیں لیتے اور ایک حدیث کو لیتے ہیں دوسری کو نہیں لیتے۔ جیسا کہ "اياك نستعين" سے بعض لوگ مدد مجازی غیر اللہ سے منع کے قائل ہیں حالانکہ دوسری آیت "وتعاونوا على البر والتقوىٰ" مدد مجازی کا حکم دیتی ہے۔ اسی طرح "لا تشدوا الرحال الا الى ثلثة مساجد" سے بعض نے مطلق سفر کرنا طرف مزارات اولیاء کے منع کیا ہے۔ حالانکہ دوسری روایت مسند امام احمد میں "لا تشدوا الرحال من مسجد الا الى ثلثة مساجد"۔ اس حدیث نے صاف کر دیا کہ تین مساجد کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرنا منع ہے۔ مزارات کے سفر کی نفی اثبات کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ کبھی حدیثوں کے ملانے سے مطلب پورا ہوتا ہے۔ کبھی چند آیتوں کے ملانے سے مطلب پورا ہوتا ہے۔ اسی لئے اختلاف واقع ہو جاتا ہے اور اس کے اسباب جدا جدا ہو جاتے ہیں اس لئے ایک حلال کہتا ہے اور دوسرا احرام کہتا ہے اور کبھی آیت اور حدیث میں لفظ مشترک ہوتا ہے جس میں کئی معنوں کا احتمال ہوتا ہے اور پھر دوسری آیت اور حدیث آتی ہے وہ ایک معنیٰ کو آ کر خاص کر دیتی ہے۔

چوتھا اختلاف جو لفظ کے عام اور خاص ہونے سے واقع ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جو موضوع لفظ میں ہوتا ہے اور دوسرا جو ترکیب میں ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال "ان الانسان لفي خسر" انسان عام ہے مومن و کافر دونوں کو شامل ہے۔ الا الذين امنوا سے مومن خاص ہو گئے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض آیات اور احادیث کے عام ہونے پر اتفاق ہے اور بعض کے خاص ہونے پر اتفاق ہے اور بعض آیات اور احادیث اس قسم کی ہیں جن کے عام اور خاص ہونے میں اختلاف ہے۔ (مثلاً مسجد ضرار کی آیت۔ بعض کہتے ہیں وہ مسجد جو منافقوں نے بنائی تھی اسی کے لئے خاص ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو مسجد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا بنائی جائے ان سب کے لئے یہ آیت شامل ہے) وہ آیت یا حدیث جس کے عام ہونے میں اتفاق ہے وہ یہ ہے يايها الناس اتقوا ربكم یہاں ناس سے کل آدمی مراد ہیں کوئی خصوصیت نہیں اور حدیث البينة على المدعي واليمين على المدعا عليه مدعی سے ہر ایک مدعی مراد ہے اور وہ آیت جس کے خاص ہونے میں اتفاق ہے الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم یہاں ناس سے مراد خالص مومن ہیں اور بعض الفاظ لغت میں عام ہوتے ہیں مگر ان کو شریعت خاص کر دیتی ہے جیسا کہ متعہ۔

پانچواں اختلاف جو روایت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حدیث میں کئی اسباب وارد ہوتے ہیں جن میں وہم پڑتا ہے کہ یہ حدیث دوسری حدیث کے مخالف ہے ایسی صورت میں علماء تاویل کے محتاج ہوتے ہیں اور وہ اسباب آٹھ قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) حدیث کی سند میں کسی قسم کا ضعف ہونا (۲) راوی کا حدیث کو بامعنے نقل کرنا (۳) راوی کا اعراب حدیث سے جاہل ہونا (۴) حدیث کے لفظوں میں غلطی کر دینی (۵) راوی حدیث کا کوئی جملہ حدیث کا گرا دے جس کے بغیر حدیث کے معنے پورے نہیں ہو سکتے (۶) راوی حدیث کو نقل کرے اور اس حدیث میں جو حکم کا سبب بیان کیا گیا ہے اس سے غافل ہو جائے (۷) شاگرد استاد سے حدیث کا کچھ حصہ سنے اور کچھ نہ سنے

(۸) شاگرد استاد کی تحریر سے حدیث نقل کرے اور روبرو اس سے ملاقات نہ ہوئی ہو (ان جملہ اقسام کی مثالیں اُصول حدیث میں مذکور ہیں)۔

چھٹا اختلاف جو اجتہاد اور قیاس کی وجہ سے ہوتا ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ (۱) بعض قیاس کے قائل ہیں اور بعض منکر ہیں۔ (۲) دوسری یہ صورت ہے کہ جو اختلاف خود اہل الرائے میں ہوتا ہے جیسا حنفیہ اور شافعیہ۔ ان سب کی تشریح اصول فقہ میں مفصل درج ہے۔

ساتواں اختلاف جو ناسخ اور منسوخ کی وجہ سے ہوتا ہے یہ بھی دو قسم کا ہے (۱) جو نسخ کا انکار کرتے ہیں۔ (۲) جو نسخ کو ثابت کرتے ہیں اور ثبوت نسخ بھی صحیح ہے۔ اور یہ بھی تین قسم کا ہے۔

(۱) یہ ہے کہ خبروں میں نسخ جائز ہے یا نہیں (۲) یہ کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے یا نہیں (۳) یہ کہ جو احکام قرآن حدیث میں ہیں وہ منسوخ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

آٹھواں اختلاف جو اباحت اور فراخی کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ لوگ اختلاف کرتے ہیں جنازوں کی تکبیروں میں یا تکبیرات ایام تشریق میں یا قرآن مجید کی سات قرائتوں میں۔

یہ آٹھ اسباب ہیں اختلاف کے جن کی وجہ سے علماء کے درمیان اختلاف واقع ہوتا ہے اور ایک اور اختلاف ہوتا ہے جو لوگوں کے دین اور مذاہب کے درمیان واقع ہوتا ہے اور اس کے چار درجے ہیں (۱) ایک درجہ تو وہ ہے جو قائلین انبیاء اور منکرین انبیاء میں واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ثنویہ فرقہ جو دو معبودوں کے قائل ہیں۔ ایک خدا کے قائل ہیں اور دہریہ فرقہ جو کسی خدا کا قائل نہیں عالم کو قدیم کہتے ہیں (۲) دوسرا درجہ جو اختلاف قائلین انبیاء کے درمیان واقع ہوتا ہے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان (۳) تیسرا درجہ وہ اختلاف جو ایک نبی کی امت میں اعتقادی مسائل میں ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی کو فاسق فاجر اور بدعتی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اختلاف کسی شے میں، خدا کی صفات میں یا تقدیر میں۔

یہ پہلے تین اختلاف جو بیان ہونے میں منع ہیں اسی لئے خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے **ولا تتبع السبل فتفرق بکم عن سبیلہ**۔ ایسے اختلافوں سے خداوند کریم پناہ دے۔ (۴) چوتھا درجہ اختلاف کا۔ وہ اختلاف مسائل عملی ہیں جیسا کہ شافعیہ اور حنفیہ کا اور یہی اختلاف اچھا ہے اور اسی کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے **اختلاف امتی رحمة** (ص ۲۹۱ تا ۲۹۳ جز ۲۔ اتحاف السادة المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین محمد حسینی زبیدی المشہور بمرتضیٰ حنفی۔ مصنف تاج العروس شرح قاموس)

مندرجہ بالا اسباب اختلاف علماء بیان ہونے اور بسا اوقات علماء کے حدیث چھوڑنے کے دس وجوہات واضح ہو جانے کے بعد ثابت ہوا کہ آئمہ دین نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی کتنے خلوص سے خدمت کی ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔

اب جو صحیح طریق سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انہوں نے واضح کیا ہے اس صراط مستقیم سے ادھر ادھر ہونے والا بے شک صراط مستقیم سے دور جا پڑا لیکن عجب طور زمانہ ہے کہ ایسے دور افتادہ اور بہکے ہوئے آدمی کو جو شخص صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرے اور دعوت دے اسے کہا جاتا ہے کہ تفریق بین المومنین کرتا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ چند حقیقی بھائی جب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور بعض ان میں کسی دوسرے قبیلے میں جا ملیں تو جس کنبہ سے وہ نکل کر آئے ہیں اس میں کمی ہو گی اس پر اس کنبہ کے لوگ کتنا کچھ واویلا کریں گے اور کہاں تک کوشش کریں گے کہ ہمارے جدا شدہ بھائی پھر ہم سے واپس آ ملیں۔ لہٰذا اس اتحاد و یگانگت کو قائم و مستحکم کرنے کے لئے مذہب سے بڑھ کر کوئی دوسرا طریق نہیں، نہ اس میں قومیت کام دے سکتی ہے نہ عصبیت نہ ایک ملک یا ایک شہر کا ہونا اس غرض کے لئے مذہب ہی بس ہے اور چونکہ آج کل جدید فرقوں کے لوگ اہلسنت والجماعت کی برادری سے ہی نکل کر دوسرے فرقوں میں مل رہے ہیں اس لئے اہلسنت والجماعت کے علماء جب اپنے ہی بھائیوں کو اپنی طرف واپس بلاتے ہیں پھر کتنے ستم کی بات ہے کہ انہیں کہا جاتا ہے یہ تفریق بین المومنین کرتے ہیں۔

اور اس سے بھی بڑھ کر کس قدر ستم ظریفی ہے کہ فی زمانہ ہر ایک مجتہد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ مجتہد کے واسطے شرائط و قیود ہیں جن کا ان مدعیان اجتہاد میں شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ یعنی (۱) کتاب اللہ کا علم پورا ہو (۲) حدیث رسول کریم ﷺ جامع ہو (اور اس میں لازمی شرط ہے کہ عام وخاص، مطلق و مقید، مجمل و مفصل اور ناسخ و منسوخ کا پورا علم ہو اور حدیث متواتر اور خبر واحد اور مرسل و متصل اور روایوں کا حال پورے طور پر مکمل جانتا ہو) (۳) صحابہ کرام کے اقوال اچھی طرح جانتا ہو نیز اجماع امت سے جو مسئلے ثابت ہیں ان کو اچھی طرح جانتا ہو (۴) قیاس اور اس کے جملہ اقسام جانتا ہو (۵) صرف نحو اور لغت سے بخوبی واقف ہو۔ (یہ شرائط مجتہد کے بھی مسئولا بالا کتاب اتحاف السادة المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین کے ص ۲۸۹ سے منقول ہیں)

یہ درست ہے کہ مجتہد کا غیر بھی فتویٰ دے سکتا ہے مگر بقید پابندی تقلید مجتہد کے۔ اب یہ کس قدر بے انصافی ہے کہ جو شخص چند آیات یا احادیث ازبر کر لیتا ہے وہی مجتہدی کا مدعی بن بیٹھتا ہے اور جو بات بھی پوچھو اس پر (گو بے ٹھکانے ہی ہو) ازخود حدیث یا آیت ثبوت میں پڑھنے لگتا ہے اور اگر اس کو درست راہ اور صراط مستقیم بتایا جائے تو کہتا ہے کہ علماء اختلاف کے بانی ہیں۔ رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین۔

❁ ❁ ❁

حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاریؒ

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری ہندوستان میں بخاری خاندان کے سرخیل اور سردار ہیں ۔ آب کوثر کی روایت کے مطابق ''ہندوستان کے بخاری سیّدوں کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے'' ۔ (شیخ محمد اکرام ، آب کوثر ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ، 2000 ، ص 277) پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "The preaching of Islam" میں رقم طراز ہیں کہ : '' ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سیّد جلال الدین کی آمد بہت اہمیت رکھتی ہے ۔ جو 1199 ء میں بخارا میں پیدا ہوئے ، 1244 ء میں اوچ میں سکونت اختیار کی اور 1291 ء میں وفات پائی ۔ حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری کے ورود مسعود کے سبب برصغیر میں بخاری سادات کو عروج اور برکت نصیب ہوئی '' ۔ (پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ "The Preaching of Islam" محکمہ اوقاف ۔ ص 307)

خانوادۂ بخاری کے گوہر تابدار اور نیّر تاباں حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری کی ولادت باسعادت بخارا میں ہوئی ۔ سخاوت مرزا نے اپنی کتاب " تذکرہ حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت " میں سید جلال الدین سرخ بخاری کا شجرۂ نسب یوں تحریر کیا ہے ۔

" سید جلال الدین سرخ بخاری بن سیّد علی ابوالموائد بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبداللہ بن علی اصغر بن جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقیؑ بن امام علی رضاؑ بن امام موسیٰ کاظمؑ بن امام جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ بن امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن حضرت علیؑ ابن ابی طالب ۔"

آپ کے والد گرامی حضرت سیّد علی ابوالموائد بن جعفر ، حسینی سادات کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ سیّد علی ابوالموید بن جعفر کی آمد کے احوال " انساب جلالی " کے حوالے سے یوں معروف ہیں کہ آپ مدینہ منورہ سے سادات کے قافلے کے ہمراہ بخارا تشریف لائے ۔ بخارا میں آپ کی بڑی پذیرائی ہوئی ۔ سلطان محمد خدا بندہ نے اس گروہ سادات کی مہمان داری کا اعلیٰ پیمانے پر اہتمام کیا اور اپنی ایک بیٹی کی شادی سیّد علی ابوالموائد سے کر دی ۔ سیّد علی ابوالموائد کے ہاں اسی شہزادی کے بطن سے ، سید جلال الدین سرخ بخاری پیدا ہوئے ۔ حضرت موصوف کی ابتدائی تعلیم و تربیت بخارا میں اپنے والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی ۔ بخارا میں آپ کی شادی ، بخارا کی ایک نامور علمی شخصیت سیّد ابوالقاسم فقیہ الحسن کی صاحبزادی سے ہوئی ۔ جن کے بطن سے آپ کے دو فرزند سیّد علی اور سیّد جعفر پیدا ہوئے ۔

> بخارا کی شہرت کا اصل سبب بخاری سادات اور علم و حکمت کے ماہتاب امام محمد بن اسمٰعیل بخاری تھے

بخارا :

اسلامی تہذیب و تمدن کا یہ عظیم الشان مرکز دریائے زرافشاں کی زیریں گذرگاہ پر ، ایک بڑے نخلستان میں واقع ہے ۔ آج کل یہ علاقہ وسط ایشیا کی ریاست ازبکستان میں شامل ہے ۔

ماوراالنہر پر عربوں کے اولین حملوں کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ بخارا پر عربوں کا پہلا لشکر ۶۷۴ء/۵۴ھ میں عبیداللہ بن زیاد کی قیادت میں نمودار ہوا ۔ ازاں بعد ۷۱۰ء/۹۱ھ میں قتیبہ بن مسلم نے بخارا میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی ۔

بخارا اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز ہونے کے سبب شہرت دوام میں ممتاز مقام کا حامل رہا ۔ ابن الاثیر کے مطابق اہالیان بخارا نے ۴ ذی الحج ۶۱۶ھ/۱۰ فروری ۱۲۲۰ء کو چنگیز خاں کے لشکر کی اطاعت قبول کی ، قلعہ پر قبضہ بارہ دن کے بعد ہوا ، شہر کو تاراج کیا گیا اور جامع مسجد

اور چند محلات کو چھوڑ کر اسے مکمل طور پر نذر آتش کر دیا گیا۔ لیکن بخارا جلد ہی پھر اپنی اصل حالت پر آ گیا۔ چنگیز خاں کے جانشینوں کے عہد میں اس کا ذکر ایک گنجان آباد شہر اور علم و دانش کے مرکز کے طور پر آتا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ پنجاب یونیورسٹی ۲۰/۴، ۱۱۰)

امام بخاری :

بخارا اپنی سرسبزی و شادابی اور قدرتی حسن و جمال کے سبب اگرچہ جنت نظیر رہا تاہم اس کی شہرت و عظمت کا اصل سبب اگر ایک طرف "سادات بخاری" ہیں تو دوسری طرف دنیائے علم و حکمت کی عظیم و ممتاز شخصیت اور حدیث کے عظیم امام محمد بن اسمٰعیل بخاری ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرامین اور احادیث کو، ان کی صحیح صحت کے ساتھ جس طرح محفوظ اور مدوّن کیا، وہ آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

آپ کا اسم گرامی محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی بخاری اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ "فارسی الاصل" تھے۔ آپ کا خاندان یمان الجعفی کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ امام بخاری کی پیدائش بخارا میں بعد نماز جمعہ شوال ۱۹۴ھ/ ۸۰۹ء اور وفات جمعہ و ہفتہ کی درمیانی شب یکم شوال ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء میں ہوئی۔

تاتاریوں نے بخارا کو لوٹ لیا مسجدوں کی بے حرمتی کی اور کلام اللہ کے اوراق کو پھاڑ کر جلا دیا

امام بخاری کے پردادا مغیرہ " آتش پرست " تھے۔ انہوں نے والئ بخارا " یمان بخاری الجعفی " کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اسی لقب سے ملقب ہوئے۔ امام بخاری، علوم و فنون حدیث کے ماہر اور امام مجتہد کے بلند مقام پر فائز تھے۔ بقول ابن حجر: وہ فقہ حدیث میں دنیا کے امام ہیں، علل حدیث میں انہیں بڑی دستگاہ اور مہارت تھی۔ امام بخاری کی اصل شہرت انکی کتاب "الجامع الصحیح " کے سبب ہے۔ امام بخاری کے تجر علمی کے سبب بعض اوقات یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ شائد آپ "بخارا" میں خاندان سادات بخاری کے فرد جلیل ہوں۔ یہ اشکال محض کم علمی کے سبب ہے "بخاری" نقوی اور حسینی سادات کی ایک ذیلی شاخ (sub cast) ہیں۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کا نسبی اعتبار سے سادات بخاری کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہے، البتہ امام صاحب اسلامی علوم و معارف بالخصوص علم حدیث کے حوالے سے ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ ان پر سادات کرام بھی ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔

بخارا سے نقل مکانی :

سیّد جلال الدین سرخ بخاری کی بخارا سے نقل مکانی کا سبب ایک قلمی کتاب "انساب جلالی" کے حوالے سے یوں ذکر کیا گیا ہے کہ سیادت و نجابت اور علم و حکمت کے سبب آپ مرجع خلائق تھے۔ جس کی بناء پر حکمران آپ سے خوف محسوس کرنے لگے۔ حکمرانوں کے بے جا خدشات، حالات میں کشیدگی کا باعث بنے، اندریں حالات آپ بخارا کی سکونت ترک کر کے مشہد آ گئے۔ مشہد میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ نے ایران سے ہندوستان کا رخ کیا۔

یہ زمانہ وہ تھا جب سمرقند و بخارا پر تاتاریوں کی یلغار شروع ہوئی۔ ۶۱۷ھ میں چنگیز خان تاتاری نے جس کا اصلی نام تموجین تھا، بخارا فتح کر لیا۔ اس نے صرف شہر کی لوٹ مار پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بخارا کے باشندوں پر سخت ظلم و زیادتی سے کام لیا، شہر کو آگ لگا دی۔ مسجدوں کی بے حرمتی کی اور کلام اللہ کے اوراق کو پھاڑا اور جلایا۔ اسی ہنگامہ میں غالباً حضرت سیّد جلال الدین بخاریؒ بخارا سے ایران منتقل ہوئے۔

ایران میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ اثنائے سفر میں آپ کے قافلہ کے ایک ساتھی نے اشرفیوں کی ایک تھیلی بطور امانت آپ کے سپرد کی اور کہا کہ میں ہندوستان پہنچ کر آپ سے یہ لے لوں گا۔ راستے میں وہ تھیلی چوروں کی نذر ہو گئی۔ اس کا علم تھیلی کے مالک کو بھی تھا مگر اس نے بطور آزمائش، بھکر پہنچ کر آپ سے اپنی اشرفیوں کی تھیلی طلب کی۔ جب اس کا تقاضا شدید ہوا تو آپ اسے لے کر لب دریا پہنچے اور پانی میں ہاتھ ڈال کر بالکل ویسی ہی تھیلی نکالی اور اس کو دے دی۔ وہ شخص آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر صدق دل سے آپ کا معتقد اور معتقد ہو گیا۔ یہ خبر سیّد بدرالدین بھاکری تک پہنچی تو انہیں آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہوا، ان دونوں بزرگوں کی پہلی ملاقات ہی رابطہ قلبی استوار کر گئی۔

سیّد بدرالدین بھاکری:

سیّد بدرالدین بھاکری، بھکر کے نامور بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کا اصلی نام محمد تھا۔ پہلے پہل آپ کے جد امجد سیّد محمد بن شجاع، جن کا سال ولادت 540ھ ہے، مکہ مکرمہ سے بھکر تشریف لائے۔ آپ کا تعلق حسینی و نقوی سادات سے تھا۔ سیّد بدرالدین کے والد کا نام بھی محمد تھا۔

آپ کے صاحبزادے سیّد علی آپ کی وفات کے بعد بھکر سے جھانسی منتقل ہوگئے، وہاں آپ کی اولاد و احفاد کی کثیر تعداد ہوئی۔ سیّد بدرالدین نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے حضرت سیّد جلال سرخ بخاریؒ کے عقد میں دیں۔ سیّد بدرالدین کا انتقال ۱۸۰ھ میں بھکر میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔

صدف سیادت کے گہر سید جلال الدین بخاریؒ حضرت شیخ الاسلام کے مرید تھے

تحفۃ الکرام کے مطابق:

"سید بدرالدین بن سید صدرالدین خطیب، معتبر و مسلسل روایات کے اعتبار سے، ان کا سلسلۂ نسب امام علی نقی تک پہنچتا ہے۔ وہ ذاتی بزرگی اور اعلیٰ صفات سے متصف تھے۔ یقین، معرفت اور دینی حقائق میں اپنے عہد کے بزرگوں میں ممتاز رہے ہیں۔ ان کی اولاد، خاندان کی سرداری اور نسب کی بزرگی کے لحاظ سے روہڑی میں مشہور ہے۔" (میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، تحفۃ الکرام۔ ص:389)

تاریخی روایات کے مطابق بھکر کی دوبارہ آبادی سیّد بدرالدین کے جدامجد سیّد محمد بن شجاع کے دم قدم سے ہوئی۔ مشہور ہے کہ جس زمانہ میں آپ بھکر تشریف لائے تو یہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں ملتا تھا۔ آپ نے یہاں قیام فرمایا اور گائے ذبح کی۔ گائے کو عربی میں "بقرہ" کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ جگہ "بقر" کے نام سے مشہور ہوگئی، پھر بگڑتے بگڑتے "بقر" سے بھکر بن گیا۔ (مسعود حسن شہاب، خطہ پاک اوچ ص204)

تحفۃ الکرام میں میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے بھکر کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے بڑا خوبصورت پیرایہ اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جب سیّد محمد مکی، بکرہ (پو پھٹنے) کے وقت یہاں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے کہا کہ "جعل اللہ بکرتی فی البقعۃ المبارکۃ"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے میری صبح، مبارک مقام پر کرائی۔ چنانچہ اس کے بعد لوگوں کی زبان پر اس مقام کا نام "بکرہ" رواں ہوگیا، جو آہستہ آہستہ بدل کر بھکر ہوگیا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ سیّد سے نوکروں نے دریافت کیا "منزل کہاں کی جائے گی"۔ فرمایا کہ "جہاں پو پھٹنے کے وقت بقر (بیل) کی آواز سنائی دے گی"۔ اسی طرح وقت گزرنے اور لہجے کے بدلنے کی وجہ سے بقر سے "بھکر" بن گیا۔ بہرحال یہ قدیمی شہر ہے۔ سکھر اور روہڑی اس کے بعد کے ہیں یہ مبارک زمین اہل یقین اور عارفین کا ماویٰ اور ملجاٰ ہے۔ (میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، تحفۃ الکرام ص383)

آپ نے اللہ اکبر کہا اور مردہ کے منہ سے پردہ اٹھایا اور فرمایا

"قم باذن اللہ" مردہ جی اٹھا اور چالیس برس تک زندہ رہا

سیّد جلال الدین سرخ بخاری کی بھکر آمد اور سیّد بدرالدین کی صاحبزادی سے شادی کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "اخبار الاخیار" میں لکھتے ہیں "سیّد جلال الدین بخاری وہ بزرگ ہیں جنہیں سیّد جلال الدین سرخ بخاری بھی کہا جاتا ہے۔ آپ شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مریدوں میں سے تھے۔ بخارا سے بھکر تشریف لائے اور سیّد بدرالدین بھکریؒ سے جو بھکر کے معزز و ممتاز رئیس تھے، تعلقات قائم کئے۔ رسول اکرم ﷺ نے سیّد جلال الدین بخاری کو خواب میں اس بات کی بشارت دی کہ سیّد بدرالدین کی لڑکی سے شادی کرلیں اس طرح سیّد بدرالدین بھکری کو بھی حضور علیہ السلام نے اس خوش نصیبی کی بشارت خواب میں دی۔ چنانچہ سیّد بدرالدین بھکری نے اپنی عزیز بیٹی کا نکاح سیّد جلال الدین بخاری سے کر دیا۔ حاسدوں اور کینہ وروں کی ریشہ دوانیوں اور رشتہ داروں کی خلفشاریوں سے تنگ آکر سیّد جلال الدین بخاری بھکر سے اوچ تشریف لے گئے"۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص137)

ملتان تشریف آوری:

خانوادۂ سہروردیہ کی عظیم ہستی حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ جب طلب علم کیلئے بخارا میں مقیم تھے تو وہاں سیّد علی ابوالمواید بن جعفر کے اعلیٰ نسب گھرانے کے ساتھ ان کے مخلصانہ روابط قائم ہوئے۔ سیّد علی ابوالمواید بن جعفر اس نوجوان طالب علم میں آثارِ ولایت دیکھ کر اس سے محبت کرتے تھے جب حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی بخارا سے واپس ملتان تشریف لائے تو یہ تعلقات پھر بھی استوار اور پائیدار رہے۔ والد گرامی کی محبت کا فیضان ان کے جواں سال صاحبزادے سیّد جلال الدین سرخ بخاری کے حصے میں بھی آیا۔ چنانچہ سیّد جلال الدین بخاری جب بخارا کو خیر آباد کہہ کر مشہد سے ہوتے ہوئے اس علاقے میں تشریف لائے تو آپ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی کیساتھ اپنے قدیمی تعلقات، راہ و رسم اور عقیدت و محبت کے سبب ان کے پاس ملتان حاضر ہوئے۔

حامد بن فضل اللہ جمالی اپنی معروف کتاب "سیر العارفین" میں لکھتے ہیں:

صدف سیادت کے گوہر، سیّد جلال الدین بزرگ بخاری، حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بخارا میں تھے، حضرت سیّد جلال الدین بخاری کے پدر بزرگوار سید علی ابوالموائد سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے اوصاف حمیدہ سن کر اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیّد جلال الدین کی صحبت سے قبل ہی آپ پر بہت اعتقاد رکھتے تھے یہی ارادت و اعتقاد ان کی ملتان حاضری کا باعث بنا۔

حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری کے قیام ملتان کے حوالے سے ایک دلچسپ اور محبت آمیز روایت معتبر تذکروں میں یوں درج ہے کہ آپ ملتان کی گرمی سے تنگ آ کر بخارا کی برف کو یاد کرنے لگے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور لمبی سانس کھینچ کر فرمایا۔

"آہ یخ بخارا" درچنیں حرارت تراکجایابم!"

آہ یخ بخارا! اس گرمی میں تجھے کہاں سے پاؤں۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی اس وقت خلوت گاہ میں تھے۔ آپ نے ایک خادم کو مسجد میں جھاڑو دینے کا حکم فرمایا۔ اس وقت مطلع بالکل صاف اور بادل کا کہیں نشان نہ تھا۔ اتنے میں بادل نمودار ہوئے، خوب بارش ہوئی اور انڈے کے برابر مسجد کے صحن میں اولے پڑے۔ ظہر کی نماز کے وقت آپ مسجد میں آئے اور سیّد جلال الدین سرخ بخاری سے مسکرا کر فرمایا۔

"سیّد جلال! یخ بخارا بہتر است یاژالہ ملتان؟"

کہیے سید جلال! اولے ملتان کے بہتر ہیں یا برف بخارا کی؟

سید صاحب نے عرض کیا:

"ژالہ ملتان ازیخ بخارا ہزار درجہ بہتر و اولیٰ است"

اس صورت میں تو ملتان کے اولے بخارا کی برف سے ہزار درجے بہتر ہیں۔

آپ یعنی حضرت زکریا ملتانی بہت مسرور ہوئے اور اسی دن خرقۂ خلافت عطا فرما کر نعمت باطنی سے مالا مال کر دیا۔ کچھ دن سیّد جلال الدین بخاری کو اپنی صحبت میں رکھا اور پھر اوچ میں سکونت کا حکم فرمایا۔ (حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص 149)

اُچ شریف سکندر اعظم کی گزرگاہ تھی لیکن اس کی شہرت کا سبب سیادت مآب اہالیان طریقت تھے

حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری اور حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے درمیان عقیدت و ارادت کے علاوہ محبت اور دوستی کا تعلق بھی قائم تھا۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی اپنی معروف کتاب "تحفۃ الکرام" میں لکھتے ہیں: "سیّد جلال الدین سرخ بخاری شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید اور دوست تھے۔ یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے تھے۔

i- شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی
ii- بابا فرید الدین مسعود گنج شکر
iii- سیّد لال شہباز قلندر
iv- سیّد جلال الدین سرخ بخاری

معروف تذکرہ نگار مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء میں سیّد جلال الدین سرخ بخاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ، سیّد صحیح النسب، جامع سیادت و نجابت، زہد و ریاضت، شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت تھے۔ ہندوستان جنت نشان میں تمام سادات و مشائخ و امراء و سلاطین بسبب صحت حسب و نسب ان سے با ادب پیش آتے۔ ساتویں جد حضرت کے دو صاحبزادے سیّد عبداللہ و سیّد اسماعیل ہیں اور سیّد عبداللہ کی اولاد سے خاندان "سادات بخاری" اور سیّد اسماعیل کی اولاد سے خاندان "سادات بھاکری" ظاہر ہوئے"۔

صاحب مظہر جلالی لکھتے ہیں کہ "سیّد جلال میر سرخ بخاری مادر زاد ولی تھے۔ ایک روز لڑکپن کی عمر میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے آپ کا ایک ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں کسی کا جنازہ پڑا تھا حضرت ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ کیسا مجمع ہے؟ لوگوں نے کہا۔ اس مردہ کی نماز جنازہ ہونے کو ہے۔ کہا کہ نماز پڑھ کر پھر کیا کرو گے، کہا کہ اس کو زمین میں دفن کر دیں گے۔ یہ بات سن کر حضرت جلال الدین بخاری، جلال میں آ گئے اور نعرہ اللہ اکبر بلند کر کے مردہ کے منہ سے پردہ اٹھایا اور فرمایا" قم باذن اللّٰہ" مردہ فوراً جی اٹھا اور چالیس برس تک زندہ رہا۔

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت کے پانچ فرزند تھے۔ اوّل سیّد علی، دوئم سیّد جعفر جو بخارا کے بادشاہ کی لڑکی کے بطن سے پیدا

ہوئے۔ ان دونوں نے اپنے نانا کے پاس پرورش پائی اور ان میں سے سیّد جعفر بخارا میں سکونت پذیر رہے، پھر ہندوستان نہ آئے۔ سیّد احمد کبیر، سیّد بدرالدین بھاکری کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے بطن سے۔ چہارم سیّد صدرالدین محمد غوث، پنجم سیّد بہاؤالدین احمد المشہور محمد معصوم، بی بی زہرہ سیّدہ کے بطن سے تھے۔ یہ پانچوں فرزند حضرت کے پنج بنائے اسلام کی طرح صاحب مقامات عالیہ تھے۔ ولادت با سعادت حضرت کی سنہ پانچ سو پچانوے ہجری اور وفات انیسویں جمادی الاول سنہ چھ سو نوے میں واقع ہوئی اور مزار اوچ میں ہے۔"

مغربی پنجاب میں اشاعتِ اسلام کا بڑا مرکز اُچ شریف رہا

قطعہ تاریخ:

چو رفت از جہاں در بہشت بریں
جلال ولی صاحب حال و قال
بتاریخ او میر ۶۹۰ھ دولت بگو
وگر قبلہ اہل جنت جلال

بخاری اور بھاکری سادات:

بخاری اور بھاکری سادات، نقوی حسینی سادات کی ذیلی شاخیں ہیں۔ جیسا کہ حدیقۃ الاولیاء کی مذکورہ روایت میں بھی اس امر کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تصریح و تائید کے لئے خزینۃ الاصفیاء کی یہ روایت بھی معتبر ہیں۔ "سیّد جلال الدین سرخ بخاری کا نسب مبارک نو واسطوں سے امام علی نقی تک اس طرح پہنچتا ہے۔

بخاری اور بھاکری سادات نقوی حسینی سادات کی ذیلی شاخیں ہیں

سیّد جلال الدین سرخ بخاری بن سیّد ابوالموید علی بن سیّد جعفر بن سیّد محمد بن سیّد محمود بن سیّد احمد بن سیّد عبداللہ بن سیّد علی اصغر بن سیّد جعفر ثانی بن امام ذوالاکرام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سیّد علی اصغر، آپ کے جدِّ ہشتم کے دو بیٹے تھے ایک سیّد عبداللہ، دوسرے سیّد اسمٰعیل، یہ دونوں بزرگ اور سیّد عبداللہ کے سب اجداد بخاری سادات ہیں۔ سیّد اسمٰعیل، بھاکری سادات کے جدِّ اعلیٰ ہیں چنانچہ سادات بخاری اور سادات بھاکری انہی دو بزرگوں کی اولاد ہیں"۔ (مفتی غلام سرلاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ص62)

اوچ شریف:

اُوچ، اوچہ بمعنی اونچا بلند۔ یہ ہندوستان کا نہایت قدیم شہر ہے جو بہاولپور سے اڑتیس میل کے فاصلے پر دریائے ستلج اور چناب نگر کے سنگم کے قریب واقع ہے۔ کسی زمانے میں یہ ملک سندھ کا عظیم الشان دارالسلطنت تھا۔

اوچ شریف صاحبان علم و فن اور اہالیان طریقت و معرفت کا قدیم مرکز ہے۔ اس تاریخی علاقے میں سکندر اعظم کے قدم پہنچے۔ سلاطین کے دور میں اسے اہمیت حاصل رہی۔ محمود غزنوی کے عہد میں معروف بزرگ سیّد صفی الدین گازرونی یہاں تشریف فرما ہوئے اور رشد و ہدایت کا مرکز بنایا۔ ناصرالدین قباچہ کے عہد ۶۰۲ھ تا ۶۲۵ھ اوچ کو بہت زیادہ ترقی نصیب ہوئی۔ علم و فضل اور تعلیم و تعلم کے اعتبار سے یہ شہر دہلی کا ہم پلہ تھا۔ اخبار الاخیار کے مطابق سیّد صفی الدین گازرونی کو ان کے ماموں شیخ ابو اسحاق نے خرقۂ خلافت پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کیا اور فرمایا جدھر یہ اونٹ جائے تم خوشی سے ادھر چلتے رہو، جہاں یہ جا کر بیٹھ جائے اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لینا۔ چنانچہ اونٹ اوچ کی سرزمین پر آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اٹھا تو آپ نے اپنے شیخ کے حکم کے مطابق اسی جگہ کو جائے سکونت بنایا۔ اس زمانے میں اسے اوچہ کہتے تھے۔ معروف ہے کہ اوچہ کے خطہ اور جنگل میں وہ کیفیت غالب تھی جو کسی دوسری جگہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس وقت اس جگہ پہنچ کر ایسا وجد و کیف طاری ہو جاتا جو دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تو اس میں اور بھی زیادہ کیفیات ہوں گی۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار ص435)

اعجاز الحق قدوسی نے اوچ کے بارے میں لکھا ہے کہ اوچ تین ہیں۔

i۔ اوچ گیلانی: سیّد صفی الدین گازرونی نے 370ھ میں آباد کیا۔

ii۔ اوچ بخاری: سیّد جلال الدین سرخ بخاری تشریف فرما ہوئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے آباد کیا۔

iii-اوچ موغلہ: مغلوں نے آباد کیا۔(اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیاء پنجاب، ص 39)
اس ضمن میں معروف محقق شیخ محمد اکرام کی یہ سطور بھی اہمیت کی حامل ہیں۔
"مغربی پنجاب میں ملتان کے بعد اشاعت اسلام کا دوسرا بڑا مرکز" اُچہ" تھا۔ جو پنجاب کے پانچ دریاؤں کے سنگم (پنجند) کے قریب ایک قدیم قصبہ تھا۔ اُچہ کے دو بڑے حصے ہیں۔ ایک گیلانیہ کہلاتا ہے، جہاں قادری سلسلے کے بزرگ رہتے ہیں۔ دوسرا محلہ بخاریہ ہے۔ جو سہروردی سلسلے کا مرکز ہے۔ سب سے پہلے جس سہروردی بزرگ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اُچہ کو امتیاز بخشا، سید جلال الدین میر سرخ بخاری تھے، وہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے خلیفہ تھے۔ آپ کا وطن بخارا تھا۔ پہلے آ کر بھکر میں اقامت گزیں ہوئے۔ وہاں کے ایک رئیس سید بدرالدین بھکری نے آپ سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ لیکن بعض حاسدوں کو ایک نووارد کا اس طرح امتیاز پانا ناگوار ہوا اور انہوں نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ ترک سکونت کر کے 1244ء میں اُچہ آ گئے، اور محلہ بخاریہ کی بنیاد ڈالی۔ اس زمانے میں اچہ کو دیوگڑھ کہتے تھے۔ اور یہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ آپ کے آنے سے اسلام کو رونق ہوئی۔ راجہ نے آپ کی مخالفت کی لیکن بالآخر اسے اپنی ریاست سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اور یہ شہر اشاعت اسلام کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ پنجاب میں آپ نے شہر جھنگ سیالاں آباد کیا اور ایک مدت تک مغربی پنجاب میں اشاعت اسلام کی۔ راجپوتوں کے کئی قبیلوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ہندوستان کے بخاری سیّدوں کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کی وفات 95 برس کی عمر میں 1291ء میں ہوئی۔ مزار اُچہ میں ہے"۔ (1۔ شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ص 276)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ انوار و اسرار میں بڑے سمندر کی طرح تھے

سید جلال الدین سرخ بخاری کی اولاد:
جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ سیّد جلال الدین کی شادی بخارا میں سید ابوالقاسم فقیہ الحسن کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جس سے ان کے دو فرزند سیّد علی اور سیّد جعفر پیدا ہوئے۔ 635ھ میں آپ اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر بھکر پہنچے۔ چونکہ آپ کی پہلی زوجہ محترمہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ کی دوسری شادی بھکر کے مشہور بزرگ سیّد بدرالدین بھاکری کی صاحبزادی سیّدہ زہرہ سے ہوئی۔ سیّدہ زہرہ کے انتقال کے بعد آپ کی تیسری شادی بھی سیّد موصوف ہی کی دوسری صاحبزادی سیّدہ فاطمہ بی بی سے ہوئی۔
تحفۃ الکرام کے مطابق سید جلال الدین سرخ بخاری کے چار فرزند تھے۔
i- سید علی ii- سید جعفر iii- سید محمد غوث iv- سید احمد کبیر
ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے بھی اپنی معروف تصنیف "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" میں تحفۃ الکرام کی روایت ہی کو اپناتے ہوئے حضرت جلال الدین سرخ بخاری کے چار ہی صاحبزادوں کا تذکرہ کیا ہے۔
مولوی سخاوت مرزا اپنی معروف تصنیف میں آپ کے چار فرزندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"سید جلال الدین سرخ بخاری کے حسب ذیل چار صاحبزادے تھے۔
i- سید علی ii- سید جعفر iii- سید محمد غوث الملقب بہ صدرالدین iv- سید احمد کبیر۔
سید علی اور سید جعفر شاہ بخارا کی لڑکی کے بطن سے تھے۔ جو آپ کے ہمراہ بھکر (سندھ) آئے تھے، سید علی تو آپ کے پاس سندھ میں رہ گئے مگر سید جعفر بخارا واپس ہو گئے، جن کی اولاد وہیں ہے۔
سید محمد غوث کی والدہ ماجدہ بی بی زہرہ بنت سید بدرالدین بھکری تھیں۔ جن کی وفات کے بعد آپ نے دوسرا عقد مرحومہ کی بہن بی بی فاطمہ سے کیا تھا۔ جن کے بطن سے سید احمد کبیر والد بزرگوار حضرت مخدوم جہانیاں ہیں۔ سید علی بن سید جلال الدین کی صاحبزادے سید بہاؤ الدین حلیم کی اولاد "ساداتِ بہائی" کے نام سے بمقام قصبہ بھڈاونی (پنجاب) مشہور ہے۔ (مولوی سخاوت مرزا، تذکرہ سیّد جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص ۲۲۔)
ڈاکٹر محمد ایوب قادری " تحفۃ الکرام " کے حوالے سے لکھتے ہیں: "کہ جس وقت حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری بھکر پہنچے، تو اس وقت ان کے ہمراہ ان کے مذکورہ دونوں فرزند سیّد علی اور سیّد جعفر بھی ساتھ تھے۔ (ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص ۸۹)
الغرض: اگر چہ خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء نے سیّد جلال الدین سرخ بخاری کے پانچ صاحبزادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں

پانچ بنائے اسلام سے تعبیر کیا ہے۔تاہم تحفۃ الکرام کے موالف علی شیر قانع ٹھٹھوی، تذکرہ حضرت سیّد جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مصنف مولوی سخاوت مرزا، مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مصنف ڈاکٹر محمد ایوب قادری وغیرہ نے آپ کے چار صاحبزادوں پر اصرار کیا ہے۔مابعد روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔

سلطان احمد کبیر بخاری :

سیّد بدرالدین بھاکری کی دو صاحبزادیوں سے جو حضرت جلال الدین سرخ بخاری کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں، پہلی صاحبزادی سے سیّد محمد غوث اور دوسری سے سیّد احمد کبیر بخاری پیدا ہوئے۔جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے والد تھے۔(2۔ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص۹۳)۔آپ سلطان ناصر الدین محمود کے اوائل عہد 646ھ میں پیدا ہوئے، آپ علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔عہد علائی کے اکابر علماء اور صوفیاء میں آپ کا شمار تھا۔آپ 76 سال کی عمر میں 714ھ میں فوت ہوئے حضرت سیّد احمد کبیر، حضرت مخدوم سیّد جلال الدین سرخ بخاری کے فرزند ارجمند، مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔آپ کو خانوادہ حسینیہ بخاریہ میں اپنے والد ماجد قدس سرہ سے اور خانوادہ سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ صدر الدین عارف ملتانی سے خلافت واجازت حاصل تھی۔

آپ کے دو فرزند تھے، ایک تو سیّد جلال الدین بخاری المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور دوسرے سیّد صدر الدین راجو قتال قدس سرہ۔حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نام ہندوستان اور عرب وعجم میں خوب روشن ہوا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت:

سیر العارفین کے مطابق:

"سیّد جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت برج سیادت کے ستارے، درج سعادت کے موتی، نبی کے پاک (خاندان) کے خلاصے، اولاد مصطفوی میں منتخب اور حضرت باری تعالیٰ کے قرب میں ممتاز تھے۔سیّد جلال الملت والدین، مخدوم جہاں بخاری) خلاصۃ الابرار میں سے تھے اور معرفت میں وہ زبدۃ الاخیار تھے۔ظاہری و باطنی علم میں مشائخ کبار میں مسلم تھے اور انوار واسرار میں بڑے سمندر کی طرح تھے"۔(حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص۲۲۳۔)

آپ کی ولادت 14 شعبان المعظم 707ھ (19 جنوری 1308ء) شب برات کی ساعت سعید میں اوچ شریف میں ہوئی۔آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد بزرگوار حضرت سیّد احمد کبیر، عم محترم سیّد صدر الدین محمد اور شیخ جمال الدین خنداں رو کے زیر سایہ ہوئی۔تحصیل علم کیلئے حجاز مقدس تشریف لے گئے۔جہاں مکہ معظمہ میں شیخ عبداللہ یافعی اور مدینہ منورہ میں شیخ عبداللہ مطری سے اکتساب کیا۔حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نمایاں اوصاف میں ایک خصوصیت جہانوردی اور شوق سیاحت ہے۔اسی جذبۂ جہاں پیمائی کے سبب انہیں بے شمار اہل اللہ کے فیض صحبت سے استفادے کا موقع میسر آیا۔مشہور ہے کہ آپ کو چودہ سلسلوں اور خاندانوں میں بیعت کی اجازت تھی۔اخذ فیض کے حوالے سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال ملکہ عطا فرمایا تھا۔جس سالک راہ سے واسطہ پڑتا اس کو خود پر ایسے مہربان کر لیتے کہ وہ بے اختیار اپنی روحانی نعمتیں آپ کے سپرد کر دیتا۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا سطوت وعروج عطا کیا، فیروز شاہ تغلق جیسے بادشاہ آپ کے معترف ومعتقد ٹھہرے۔سلطان محمد تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام کا منصب اور علاقہ سیوستان میں خانقاہ محمدی اور مضافات کی سند عطا کی۔لیکن آپ کچھ عرصہ بعد سب کچھ ترک کر کے حجاز مقدس روانہ ہوگئے۔

مفتی غلام سرور لاہوری اپنی معروف تصنیف "حدیقۃ الاولیا" میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"سادات بخاری میں سے یہ بزرگ چراغ خاندان، مظہر انوار ربانی، مطلع تجلیات سبحانی، کشف رموز طریقت، ہادی طرائق حقیقت، صاحب ارشاد پیشوائے اوتار تھے۔پہلے انہوں نے اپنے والد بزرگوار سیّد احمد کبیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت طریقہ سہروردیہ پہنا۔پھر شیخ صدر الدین المشہور محمد غوث سے فیض باطن حاصل کیا اور انکے ارشاد سے بخدمت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی کے حاضر ہو کر مرید ہوئے اور تکمیل پا کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔پھر بیت اللہ کا سفر کیا اور شیخ الاسلام شیخ عفیف الدین عبداللہ مطری سے مکہ معظمہ میں رہ کر فوائد ظاہری وباطنی حاصل کر کے عارف یگانہ مقتدائے زمانہ ہوئے۔ہزارہا خوارق وکرامت ان سے سرزد ہوئے جن کی تشریح کتب سیر میں لکھی ہے۔

مظہر جلالی میں لکھا ہے کہ جب حضرت مخدوم مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو شرفائے مدینہ نے ان سے سیادت کی سند طلب کی۔حضرت، روضہ رسول ﷺ پر گئے اور کہا کہ

"السلام علیک یا رسول اللہ وابی وجدّی"

اندر سے آواز آئی کہ

"وعلیک السلام یاولدی یاقرۃ عینی"

یہ کرامت دیکھ کر حضرت کی سیادت کے سب قائل ہوئے اور آپ کی بزرگی سب پر ثابت ہوگئی۔ (خزینۃ الاصفیاء کی روایت میں روضہ اقدس سے آنے والی آواز کو یوں بیان کیا گیا ہے" یا ولدی قرۃ عینی و سراج کل امتی انت منی و من اھل بیتی ")

حضرت کی ولادت چہارم شعبان المعظم، شب شنبہ، سنہ سات سو سات اور وفات دہم ماہ ذی الحجہ، بروز عیدالضحیٰ، سنہ سات سو بچاسی میں وقوع میں آئی اور روضہ بمقام اوچ زیارت گاہ خلق ہے"۔ (مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیا، ص ۱۰۶)

❁ ❁ ❁

ڈاکٹر علی محمد چوہدری

سابقہ ڈین شعبہ اکنامکس ایگری

زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد

پروفیسر نعیم طاہر۔ احمد علی صدیقی

اس صدی میں جہالت کے خلاف احیائے علم کی مضبوط تحریکیں ابھری ہیں لیکن اس کے باوجود اخلاقی اور اعلیٰ عمرانی قدروں کا احیاء ممکن نہیں ہو سکا۔ ڈاکٹر علی محمد چوہدری یونیورسٹی کی فضاؤں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام کا چرچا کرتے والے دانشور ہیں۔ علم اور تعلیم کے اعلیٰ منصب پر فائز رہنے کے باوجود موصوف اعلیٰ ایک زاویے میں بیٹھے ہوئے درویش لگتے ہیں۔ ڈاکٹر علی محمد چوہدری کا وجود اس پر فتن دور میں غنیمت ہے اس لئے کہ وہ سنگلاخ زمین میں تخم محبت بونے کی ایک کامیاب کوشش میں مصروف ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں ڈاکٹر علی محمد چوہدری کہتے کیا ہیں۔۔۔

✿ دلیل راہ: آپ کی تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش کونسی ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ۱۹۳۳ء میں، چک نمبر ۱۳۔ ڈبلیو۔ بی۔ ضلع وہاڑی۔ میری جائے پیدائش ہے۔

✿ دلیل راہ: آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ابتدائی تعلیم ساتھ والے گاؤں میں حاصل کی اور ۱۹۴۹ء میں ایف۔ اے۔ بی ہائی سکول وہاڑی سے میٹرک کا امتحان نمایاں پوزیشن سے پاس کیا۔

✿ دلیل راہ: آپ کی اعلیٰ ترین تعلیمی ڈگری کون سی ہے نیز ڈاکٹریٹ کرنے کے بارے میں بھی فرمائیے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ۱۹۴۹ء میں میٹرک کے بعد میں نے اس وقت کے پنجاب ایگری کلچر کالج لائل پور (موجودہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد) میں داخلہ لیا۔ ۱۹۵۵ء میں ایم۔ ایس۔ سی زرعی معاشیات کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی۔ اسکے دو سال بعد گورنمنٹ کی جانب سے تعلیمی سکالرشپ ملا اور ۱۹۵۸ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ روانہ ہو گیا اور امریکہ کی ریاست میں اوہائیو کی اوہائیو سٹیٹ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یونیورسٹی شیڈول کے مطابق پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری کی مدت اگرچہ تین سال مقرر ہے لیکن کوئی بھی طالب علم اس یونیورسٹی سے چھ سات سال سے پہلے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل نہیں کر پاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے دو سال میں ہی یہ ڈگری حاصل کر لی۔ جبکہ ایم۔ ایس۔ سی۔ ہونے کی بنا پر ایک سال کی رعایت مل گئی تھی۔

> **درود شریف اور محفل میلاد ﷺ میں مصروف رہوں تو خوش رہتا ہوں**

✿ دلیل راہ: غیر نصابی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔

☆ڈاکٹر صاحب: نصابی اور غیر نصابی دو الگ الگ شعبہ جات ہیں۔ جو طالبعلم نصابی سرگرمیوں میں لائق، قابل اور محنتی ہونے کے باعث نمایاں مقام حاصل کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی طالبعلم غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے اور اپنا نام پیدا کرتا ہے تو وہ اپنی تمام تر توجہ تعلیم پر نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کی وجہ سے تعلیم کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بھر پور حصہ لیتا تھا۔ کالج کے زمانہ میں، میں ہاکی کا بہترین کھلاڑی تھا اور کالج ٹیم کی نمائندگی کرتے ہوئے بہت سے مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات حاصل کیے۔ اس لیے نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں اعلیٰ کار کردگی کی بناء پر سال ۵۳-۱۹۵۲ء میں زرعی کالج کا بہترین طالب علم (All round best student) کا اعزاز حاصل کیا۔ ٹیوٹوریل گروپ کا صدر بھی رہا۔

✿ دلیل راہ: طالب علمی کے زمانہ میں کون سے مضامین میں دلچسپی اور نمایاں پوزیشن رہی؟

☆ڈاکٹر صاحب: یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور نبی اکرم ﷺ کی کرم نوازی ہے کہ خوش خطی، انگریزی اور ریاضی میں، مجھے کسی سے کوئی راہبری لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ان میں میرا کوئی استاد نہیں یہ تینوں از خود مجھے آ گئی ہیں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں کیونکہ اصل محرک و فاعل تو حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے وہ جو چاہیں جب چاہیں جسے چاہیں عطا فرما دیں۔

✿ دلیل راہ: اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں کچھ بتایئے؟

☆ڈاکٹر صاحب: میرے والد چوہدری امام الدین صاحب خالصتاً مذہبی اور مشرقی تہذیب و تمدن کے حامل تھے۔ مجھ سے قبل ہمارے قبیلہ میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان بالکل مفقود تھا لیکن مجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہوئی۔

✿ دلیل راہ: زرعی یونیورسٹی میں ملازمت کا آغاز کب کیا اور کس عہدے سے ریٹائرمنٹ لی؟

☆ڈاکٹر صاحب: ۱۹۵۵ء میں ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اسی سال اپنے ہی شعبہ اگیری اکنامکس میں بطور انسٹرکٹر ملازمت کا آغاز کیا۔ دوران ملازمت پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے چلا گیا۔ ۱۹۶۴ء میں ایسوی ایٹ پروفیسر اور ۱۹۷۵ء میں پروفیسر کے عہدے پر ترقی ملی اور ڈین فیکلٹی آف اگیری اکنامکس کا تقرر ہوا۔ اسی دوران مجھے پانچ سال کے لیے زرعی رابطہ بورڈ کا سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اسی طرح یونیورسٹی کے اعلیٰ ادارے سنڈیکیٹ اور سینٹ کا رکن بھی رہا اور کافی عرصہ تک اکیڈیمک سٹاف ایسوی ایشن کا صدر بھی رہا۔ اس طرح ۱۹۹۳ء میں ڈین فیکلٹی آف زرعی معاشیات کے عہدہ سے ریٹائرمنٹ لی۔

اہل اللہ اور کسی ولی اللہ کے دربار پر حاضری کا انعام

✿ دلیل راہ: ریٹائرمنٹ کے بعد کی مصروفیات کیا ہیں۔ کیا بتانا پسند فرمائیں گے؟

☆ڈاکٹر صاحب: ذکر اللہ اور ذکر رسول ﷺ ہی آج کل کی مصروفیات ہیں۔ درود شریف اور محفل میلاد ﷺ میں مصروف رہوں تو خوش رہتا ہوں۔

✿ دلیل راہ: آپ کی پسندیدہ شخصیت؟

☆ڈاکٹر صاحب: اکابرین میں سے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ۔ موجودہ زمانے میں حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور فقیہہ مصر قبلہ مفتی محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔ یہ حق اور سچ بیان کرنے والی شخصیات ہیں اس لیے ان سے زیادہ متاثر ہوں۔

✿ دلیل راہ: آپ کی پسندیدہ کتاب؟

☆ڈاکٹر صاحب: قرآن مجید۔

✿ دلیل راہ: آپ کا پسندیدہ لفظ؟

مرکزیت مکہ شریف نہیں بلکہ مدینہ شریف ہے

☆ ڈاکٹر صاحب: یارسول اللہ ﷺ

✿ دلیل راہ: اخبار بینی دینی لوگوں کی بھی ضرورت ہے۔ آپ کا پسندیدہ اخبار کون سا ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: اخبارات رسائل قابل مطالعہ رہتے ہیں۔ کوئی تخصیص نہیں ہے جو بھی کالم پسند آئے خاص طور پر درود شریف اور روحانیت کے بارے میں پڑھ لیتا ہوں۔

✿ دلیل راہ: زندگی میں آپ کو بے شمار لوگ ملے کوئی ایسی ملاقات جسے آپ بھلا نہ پائے ہوں؟

☆ ڈاکٹر صاحب: واقعی بے شمار لوگ ملے لیکن اپنے پیر و مرشد سے پہلی ملاقات میں آج تک نہیں بھلا پایا

✿ دلیل راہ: آپ کی زندگی کا خوش گوار اور یادگار دن؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ہر دن ہی یادگار رہتا ہے جو دن بھی نبی رحمت ﷺ کی یاد میں گزرے۔ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ میرے ایک بیٹے کی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ریسرچ کا معاملہ تھا۔ ڈیٹا اکٹھا کر کے جب کمپیوٹر میں فیڈ کر کے رزلٹ حاصل کرنے کے لیے بٹن دباتے تو جواب ملتا (No solution) بہت محنت کی مگر جواب ملتا (No solution)

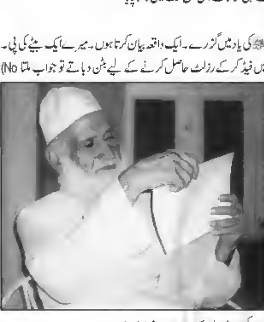

ایوب ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور پرائیوٹ ڈیٹا انیلیسز کرنے والے اداروں سے بھی رابطہ کیا۔ ایک نے کہا کہ ہو جائے گا مگر دو لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ لیکن دو چار دن بعد پھر جواب وہی۔ آخر میں نے اور میرے بیٹے نے سوچا کہ کسی ولی اللہ کے دربار پر حاضری دیتے ہیں۔ دونوں نے مل کر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری کا ارادہ کیا میں نے جو دعا کی وہ میں نے اپنے بیٹے کو نہیں بتائی اور جو میرے بیٹے نے دعا کی اس نے مجھے نہیں بتائی۔ حاضری دی اور واپس آ گئے۔ واپس گھر پہنچ کر وہی ڈیٹا، وہی کمپیوٹر اور وہی بٹن دبایا تو جواب (solution) نکل آیا۔ یہ ہوتا ہے اہل اللہ اور کسی ولی اللہ کے دربار پر حاضری کا انعام۔

✿ دلیل راہ: آپ کے نزدیک کامیابی کا راز کیا ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: حضور ﷺ سے محبت ہی کامیابی کا زینہ ہے اور اپنے پیر و مرشد کی نگاہ عنایت سے ہی دین و دنیا کی کامیابی پوشیدہ ہے۔

✿ دلیل راہ: دیہاتی زندگی کو پسند فرماتے ہیں یا شہری کو؟

☆ ڈاکٹر صاحب: زندگی دیہاتی ہو یا شہری جو بھی سادہ اور اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ہو وہی پسند ہے۔

✿ دلیل راہ: پسندیدہ شاعر؟

☆ ڈاکٹر صاحب: مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اور مجدد دین وملت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ متاثر ہوں۔

✿ دلیل راہ: نعت شریف کون سی پسند ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ایسی نعت شریف پسند ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی از حد تعریف کی گئی ہو۔

✿ دلیل راہ: کیا آپ نے خود کبھی شاعری میں طبع آزمائی فرمائی۔ چند اشعار عنایت فرمائیے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: شاعری ہو یا نثر ہر موضوع میں پیش نظر عشق مصطفےٰ ﷺ ہی ہونا چاہیئے۔ انسان کو ہمہ تن مدح رسول ﷺ میں رطب اللسان ہونا چاہیئے۔ اشعار تو بہت ہیں لیکن آج کی محفل کے لیے

مر ہی جاتے ہیں وہ جیتے جیتے
جو نہیں جیتے تیری ثناء کے لیے

✿ دلیل راہ: بچوں کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں؟

☆ ڈاکٹر صاحب: (مسکراتے ہوئے) اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے۔ چار بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔ چاروں بیٹے ماشاء اللہ نہایت تعلیم یافتہ اور اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔

✿ دلیل راہ: آپ کا سلسلہ بیعت کہاں ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: حضرت پیرومرشد صوفی باصفا حضرت صوفی محمد شریف صاحب خلیق دامت برکاتہم العالیہ، گوجرہ شریف۔

✿ دلیل راہ: حضرت سے عقیدت کن وجوہات کی بناء پر ہوئی؟

تمام اساتذہ کو کسی نہ کسی اہل اللہ کے دامن سے ضرور وابستہ ہو جانا چاہئے

☆ ڈاکٹر صاحب: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر خاص کرم کرنے کو آتا ہے تو اسے کسی شیخ کامل کی نسبت عطا فرما دیتا ہے۔ ۱۹۷۴ء زرعی یونیورسٹی میں میرا ایک شاگرد ایم۔ایس۔سی کا طالب علم تھا۔ وہ تیز طرار شوخ مزاج اور نہایت حاضر جواب تھا لیکن چند روز میں داڑھی رکھ لی، کم گوئی اختیار کر لی، مزاج میں سنجیدگی آ گئی۔ عادات بدل گئیں میں نے تبدیلی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک شیخ کامل کی بیعت کر لی ہے، میں نے اس سے کہا کہ اپنے شیخ کامل سے مجھے ملاؤ تو وہ مجھے حضرت صوفی باصفا صوفی محمد شریف صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے پاس لے گیا۔ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ محمد افضل نے میرا تعارف کروایا تو بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت صاحب! یہ تقویٰ کیا چیز ہے اور کس طرح سے آتا ہے؟ یہ ظاہری باطنی احوال میں تبدیلی کیونکر آ جاتی ہے؟ تو حضرت صاحب ذرا مسکرائے اور حاضرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہی سے پوچھ لیں۔ وہاں پر موجود ایک شخص نے کہا کہ ایک خاص کام سے پیر خانے گوجرہ شریف آیا تو حضرت صاحب کے ارشادات ختم ہوتے ہی میرے دماغ کی ساری شیطانگی و دیوانگی جاتی رہی اور میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا اس کی باتوں کا میرے دل پر عجیب اثر ہوا اور پیرومرشد حضرت قبلہ صوفی باصفا شیخ المشائخ پیر صوفی محمد شریف صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے دست اقدس پر بیعت کر لی۔

کیمیا پیدا کن از مشتے گلے
بوسہ زن بر آستاں کاملے

ایک شعر اور ارشاد فرمایا:

نہ مے، نہ صراحی نہ دور جاناناں
فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم جاناناں

✿ دلیل راہ: آپ کے خیال میں اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: اتحاد بین المسلمین صرف ایک ہی نکتہ پر ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے وابستہ ہو جاؤ۔ مرکزیت مکہ شریف نہیں بلکہ مدینہ شریف ہے کیونکہ باعث کائنات اور محور کائنات مدینہ شریف ہی ہے۔ جب حشر میں نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے تلے اکٹھے ہونا ہے تو اسی دنیا میں ہی کیوں نہ اکٹھے ہو جائیں، اتحاد بھی ہو جائے گا اور نجات بھی مل جائے گی اتحاد بین المسلمین ذات مصطفےٰ ﷺ پر ہی ہو سکتا ہے۔

✿ دلیل راہ: اس وقت مسلمان سارے عالم میں پستی، ذلت اور زوال کا شکار ہیں اس دلدل سے نکلنے اور عظمت رفتہ کی بحالی کی کوئی صورت ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

یا محمد از تو مے خواہم خدارا
خدایا از تو عشق مصطفےٰ ﷺ را

✿ دلیل راہ: خوراک میں کوئی چیز جو خاص طور پر پسند ہو؟

☆ ڈاکٹر صاحب: کوئی خاص نہیں، خوراک و طعام بہت قلیل اور متوازن ہے۔

✿ دلیل راہ: پسندیدہ لباس؟

☆ ڈاکٹر صاحب: موسم کے مطابق کرتہ وشلوار۔

تیز طرار شوخ مزاج نے چند روز میں داڑھی رکھ لی

✿ دلیل راہ: غیر ملکی سفر کہاں کہاں کیے؟

ڈاکٹر صاحب۔ پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے لیے امریکہ گیا اور پھر روضہ رسول ﷺ اور حرمین شریفین کی حاضری کے لیے سعودیہ جانے کا اتفاق ہوا۔

✿ دلیل راہ: ذکر کرنے کے دو طریقے ہیں جہر اور اخفاء۔ آپ کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ذکر کسی صورت میں بھی ہو ذکر، ذکر ہی ہوتا ہے چاہے جہر ہو چاہے اخفا ہو۔ میں اپنے سلسلہ کے مریدین کو "اللہ ہو" کا ذکر تلقین کرتا ہوں۔ اپنے اپنے مرشد جس بات کی تلقین کریں اسی پر کاربند رہنا فائدہ مند ہے۔

✿ دلیل راہ: آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ اپنے دفتر میں ہی محفل ذکر منعقد کر لیتے تھے اس سلسلے میں کبھی کوئی مشکل ہوئی ہو تو اسے کیسے حل کیا؟

☆ ڈاکٹر صاحب: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہاں بھی جاتا ہوں محفل نعت و محفل ذکر میرا معمول ہے۔ دوران سروس زرعی یونیورسٹی میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھا دفتر میرا اپنا تھا۔ جب چاہا محفل سجالی الحمدللہ کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

✿ دلیل راہ: آپ انجمن اساتذہ پاکستان کے مرکزی عہدوں پر رہے ہیں اس حوالے سے اپنے تاثرات یا اساتذہ کے نام کوئی پیغام؟

☆ ڈاکٹر صاحب: جی ہاں انجمن اساتذہ پاکستان کے اعلیٰ ادارہ مجلس شوریٰ کا چیئرمین اور صدر بھی رہا ہوں ۱۹۸۲ء فیصل آباد میں انجمن اساتذہ پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس میں خود بھی شامل ہوا بلکہ اور ساتھیوں کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی۔ انجمن اساتذہ پاکستان ماضی میں بھی، اور آج بھی وقت کی اہم ترین آواز ہے۔ تمام اساتذہ کو کسی نہ کسی اہل اللہ کے دامن سے ضرور وابستہ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

عشق مصطفیٰ ﷺ سے تمام مراحل بڑی آسانی سے طے ہو جاتے ہیں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عظمت مصطفیٰ ﷺ کے سامنے سرخم تسلیم کرنے والے ہی عظیم بنتے ہیں۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ کو مان جائیے اور عظیم بن جائیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی جس جس خوبی کو دل سے مانو گے تم میں وہی خوبی خود بخود پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔

✿ دلیل راہ: ایک آخری سوال کافی عرصہ قبل ایوب کالونی جھنگ روڈ، فیصل آباد کسی صاحب کے گھر آپ نے محفل ذکر کے موقع پر یہ فرمایا تھا کہ اگر کسی نے دنیا میں جنتی دیکھنا ہو تو وہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب کی زیارت کر لیں؟

☆ ڈاکٹر صاحب: ارے بھائی! آپ نے تو یہ سنا ہے میں تو یہ کہتا ہوں بلکہ مکمل شرح صدر کے ساتھ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی تحریروں کو پڑھتا ہوں۔ یہ جو کچھ بھی کہتے ہیں حق و صدق ہی ہوتا ہے۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ آل رسول ﷺ سے وابستگی ہی ہماری نجات کا باعث ہے اور پھر سید ہو اور سچا عالم ہو۔ شاہ صاحب جنتی ہی نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جو ان کی زیارت کر لے وہ بھی جنتی ہے۔

✿ ✿ ✿

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر

ڈاکٹر رضا فاروقی

سسلی کے بادشاہ نے 1220 اور 1230 کے دوران اسپین اور مصر کے مسلم علماء سے تین سوالات پوچھے تھے:

۱۔ جب پتوار اور بالیاں جزوی طور پر پانی میں ہوتی ہیں تو وہ خمدار کیوں نظر آتی ہیں؟

۲۔ جب ستارہ سہیل افق کے قریب ہوتا ہے تو بڑا کیوں نظر آتا ہے؟ اگر اس کی وجہ رطوبت بتائی جائے تو جنوبی صحراؤں میں رطوبت کہاں سے آگئی؟

۳۔ جو لوگ رمدِ چشم یا موتیا بند کے مریض ہوتے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے تیرتے ہوئے داغ دھبے کیوں نظر آتے ہیں؟

مسلم علماء نے ان سوالات کی اس انداز میں توضیح کی کہ بادشاہ فریڈرک دوم نہ صرف مطمئن ہوا بلکہ مسلمانوں کی سائنس میں مہارت پر قائل ہوگیا۔

اگر ہم تاریخ کے اوراق اٹھا کر دیکھیں تو فروغِ سائنس میں مسلمان نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ دیگر اقوام کے برعکس اسلام نے غور وفکر پر پابندی نہیں لگائی اور نہ ہی مفکرین کے پیچھے جاسوس لگائے بلکہ ہمیشہ مسلمان خلفاء نے ادیبوں، عالموں اور سائنسدانوں کی عزت افزائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ چند ہی صدیوں میں اسلامی علوم کے جلو میں سائنسی تحقیق بھی ترقی کرتی گئی۔

مسلمان خلفاء نے ادیبوں، عالموں اور سائنسدانوں کی عزت افزائی کی

اس کی ایک مثال عباسی خلفاء ہیں جنہوں نے ایک بہت بڑا کتب خانہ 'بیت الحکمت' بنایا اور اس میں عملی نسخے جمع کئے گئے۔ قیمتی کتب کے تراجم کرائے گئے۔ دنیا کے کونے کونے سے علماء کو طلب کر کے کتب لکھوائی گئیں اور ان کو گراں قدر معاوضے دیئے گئے۔ بعد کے مسلم خلفاء نے بھی کتابوں کو وسعت دی اور اس عظیم الشان کتب خانے میں اتنی کتب تھیں کہ جب منگولوں نے بغداد پر حملہ کیا اور کتب خانے کو جلا دیا گیا تو دریائے دجلہ کا پانی جلی ہوئی کتابوں سے سیاہ ہوگیا تھا۔ اسی طرح انگریزوں نے طرابلس، شام کے بہت بڑے کتب خانہ کی تیس لاکھ کتب کو جلا کر راکھ کر دیا یہی کتب کے وہ ذخائر تھے جن کی مدد سے مسلمانوں نے علم کو وہ مقام بخشا جو آج تک کسی قوم نے علم کو نہ دیا۔

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے کہا تھا:

''یہ یونانیوں کی نہیں بلکہ عربوں کی تحقیق و جستجو کا نتیجہ تھا کہ مغربی علماء نے پہلی بار دریافتوں کے لیے استقرائی طریقے استعمال کیے''

علامہ کے اس دعوئ کی بازگشت بریفالٹ کی کتاب "The Making of Humanity" میں سنی جاسکتی ہے۔ اس نے لکھا ہے:

''سائنس عرب معاشرہ کی طرف سے موجودہ دور کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ عربوں نے اپنے عہد اقتدار میں جو عظیم کارنامے انجام دیئے ان کے اثرات اسپین کی ثقافت ختم ہونے کے بعد نمودار ہوئے۔ یہ صرف سائنس ہی نہ تھی جس نے یورپ کو نئی زندگی عطا کی بلکہ اسلامی تہذیب کے گوناگوں اثرات نے یورپی زندگی میں روح پھونکنے کا کام کیا''۔

یہ غیر مسلم مصنف، مسلم علماء کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے:

''سائنس نے جو عربی تہذیب سے گہرے اثرات قبول کئے ہیں وہ صرف انقلابی نظریات کی حیرت انگیز دریافتوں پر مشتمل نہیں بلکہ سائنس مسلم ثقافت کی مرہونِ منت ہے۔ یہ واضح ہے کہ قدیم دنیا سائنس کی دنیا نہ تھی۔ علم ہیئت اور علم ریاضی بیرونی درآمد ہونے کے سبب

یونانی تہذیب میں رچ بس نہ سکے۔ یونانیوں نے قواعد، اصول، کلیات، نتائج اور نظریات مرتب کیے لیکن تحقیق کے مستقل طریق کار، مثبت علم کا فروغ، اصول سائنس کی باریکیاں، تفصیلی اور دیرپا مشاہدات، تجربات پر مبنی تحقیق کا کام یونانی مزاج سے ہم آہنگ نہ تھا اور سائنس...... تحقیق کی نئی روح، نئے زاویے، تجربات پر مبنی قواعد، مشاہدات، پیمائش و ریاضی کے ترقی کے اسلوب جن سے یونانی ناواقف تھے۔ یورپ میں رونما ہوئی اور یہ انداز اور طریق یورپ میں پھیلانے کا سہرا عربوں کے ہی سر ہے۔"

دنیا کو سائنس کا درس دینے والی اُمت آج خود کس مقام پر ہے

اگرچہ یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کے علوم کے فروغ میں بہترین کردار کو ہمیشہ پس پشت ڈالا اور مسلم علماء اور سائنسدانوں کے ناموں کو سرے سے مٹا دیا یا اس طرح تبدیل کیا کہ بظاہر نام مسلم نہ محسوس ہو۔ تاریخ میں اس قدر بددیانتی کا مظاہرہ کیا کہ وہ دور جس میں مسلمانوں کا کردار بہت نمایاں ہے اُسے حذف کر دیا۔ مثال کے طور پر جدید سائنس کا ڈائریکٹ رشتہ یونانی دور سے اس طرح ملا دیا کہ مسلمانوں کا ایک ہزار سالہ دور غائب کر دیا اگر آپ ایجادات کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ارشمیدس کی چرخی (1260ق م) کے معاً بعد گٹن برگ کے چھاپہ خانہ (1450) کا ذکر آتا ہے اور دانستہ طور پر اسلامی ترقی کے ڈیڑھ ہزار سال غائب کر دیئے جاتے ہیں لیکن حقائق کو چھپایا نہیں جاسکتا اور یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہی جاسکتی ہے کہ دور حاضر کی جدید سائنس مسلمانوں کی تحقیق کی مرہون منت ہے۔ بابائے طب بوعلی سینا (980 تا 1037ء) کی کتاب القانون فی الطب (Canon Medicine) کے نام سے سترہویں صدی عیسوی تک یورپ کے تمام طبی اداروں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ ابن سینا کا رسالہ "معدنیات" تیرہویں صدی عیسوی تک یورپ میں ارضی معلومات کا واحد سرچشمہ تصور ہوتا تھا۔ اہل یورپ کیمیا پر جابر اور

> **دریائے دجلہ کا پانی جلی ہوئی کتابوں سے سیاہ ہو گیا تھا**

الرازی کی عربی کتب کے تراجم کے بعد اس علم سے متعارف ہوئے۔ جابر بن حیان بڑا کیمیا دان، ابوالہیثم علم طبیعات کا ماہر محمد موسیٰ الخوارزمی علم ریاضی میں ایک بڑا نام ہے اور ابوریحان محمد بن احمد البیرونی بیک وقت سیاح، ریاضی دان، ماہر فلکیات، جغرافیہ دان، مورخ، معدنیات، طبقات الارض اور خواص الادویہ کا ماہر اور آثار قدیمہ کا عالم تھا۔ ایسے بے شمار مسلم علماء ہو گذرے ہیں جن کا نام سائنس کے فروغ کے حوالہ سے رہتی دنیا تک رہے گا۔

دنیا کو سائنس کا درس دینے والی اُمت آج خود کس مقام پر ہے ذرا اندازہ لگائیں۔ اس وقت مسلم ریاستیں 57 ہیں اور یہ ملک انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک اور یوگنڈا سے لے کر قازقستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک عرب تیس کروڑ کے لگ بھگ آبادی اور دنیا کے تین چوتھائی تیل کے ذخائر کے مالک ہیں، علاوہ ازیں اب کائنات نے بے شمار معدنی، زرعی اور انسانی وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے۔ دوسری طرف ان ممالک کی کل مجموعی آمدنی جرمنی کی آمدنی کے نصف سے بھی کم ہے اور سائنس کی ترقی و ترویج کے لئے صرف اعشاریہ 2 فیصد خرچ کیا جا رہا ہے...... علم دوست مسلمانوں کی 57 ریاستوں میں 380 یونیورسٹیاں ہیں اور ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جس کو عالمی سطح کی معیاری یونیورسٹی کے برابر قرار دیا جاسکے۔ 1998ء میں پاکستان کی سب سے پرانی اور

> **مسلم امہ ایک غلام کی حیثیت سے زندگی گذارنے پر مجبور ہے**

اہم یونیورسٹی پنجاب یونیورسٹی کو ایشیا کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں میں 39 واں نمبر دیا گیا جو دو سال بعد 61 ویں نمبر پر پہنچ گئی۔ اس سے پاکستان اور مسلم ممالک کی تعلیمی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں کثیر تعداد میں جامعات ہیں اور سٹینڈرڈ کے لحاظ سے اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ صرف جاپان میں ایک ہزار کے قریب یونیورسٹیاں ہیں...... یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جامعات کی تاریخ میں دنیا کی سب سے پہلی باقاعدہ یونیورسٹی ایک اسلامی ملک مراکش میں قائم ہوئی تھی۔ جامعہ قرویین کا قیام مراکش کے تاریخی شہر فاس میں 859ء میں عمل میں آیا جس کی بانی دو علم دوست خواتین فاطمہ اور مریم تھیں یہ یونیورسٹی جامعہ ازہر، قاہرہ سے بھی کم از کم 113 سال پرانی ہے۔

انگریزوں نے طرابلس شام کے بہت بڑے کتب خانہ کی تین لاکھ کتب کو جلا کر راکھ کر دیا

جامعات کی تاریخ میں دنیا کی سب سے پہلی باقاعدہ یونیورسٹی ایک اسلامی ملک مراکش میں قائم ہوئی

آج ہماری حالت بہت پتلی ہے۔ پوری اُمت مسلمہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبہ میں پسماندگی کا شکار ہے جبکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ خدمت خلق سے لے کر دفاعِ وطن تک کی ساری ضروریات سائنس اور تخلیقی عمل کی مرہونِ منت ہیں۔ دورِ حاضر میں کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں جہاں ہم جدید ٹیکنالوجی کے بغیر آگے بڑھ سکیں مگر مسلم امّہ ایک غلام کی حیثیت سے زندگی گذارنے پر مجبور ہے۔ اپنے آقا ''سپر پاور'' کے ہر اچھے بُرے حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا مجبوری بن گئی ہے اور یہ سب کچھ ہم نے خود منتخب کیا ہے اور اس کو پالا پوسا ہے۔ ہماری ترجیحات بدل گئی ہیں، اسلامی تشخص کی سربلندی، بنی نوع انسانی کو نت نئی ایجادات سے روشناس کرنا، علم وہنر اور کسب کمال کی لگن سب قصہ پارینہ اور ماضی کی حسین داستانیں بن کر رہ گئیں ہیں اور مجموعی طور پر مسلم دنیا غفلت کے سنہرے خوابوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسے حالات میں اٹلی کے شہر ٹریسلے میں مسلم ممالک کے وزراء اور سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے شعبہ میں پسماندگی کا جائزہ لینا مقصود تھا اور لامتناہی قدرتی معدنی، زرعی اور انسانی وسائل رکھنے والے اسلامی ممالک کے سائنسی اداروں کو موثر بنانے کی سفارشات پیش کرنا تھیں۔ جن دو اسباب پر خصوصی توجہ مرکوز ہوئی وہ یہ ہیں:

۱۔ ان ممالک کے سیاسی قائدین اور حکمران سائنس کے میدان میں تحقیق وتجربہ کی اہمیت سے نابلد ہیں۔ یہی وجہ کہ مسلم ممالک تحقیق وتخلیق کے لیے قومی بجٹ کا صرف اعشاریہ 2 فیصد خرچ کرتے ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک اس مد میں ڈھائی فیصد سے زیادہ بجٹ استعمال کرتے ہیں اور تو اور بعض ترقی پذیر ممالک حالات کی نزاکت کے پیش نظر پانچ فیصد تک قومی بجٹ استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان ممالک میں بھارت، ارجنٹائن، برازیل، کیوبا، میکسیکو اور جنوبی کوریا شامل ہیں۔ ان اعداد وشمار سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک تو ایک طرف ترقی پذیر ممالک بھی مسلم ممالک سے کہیں زیادہ ترقی کی جانب گامزن ہیں۔

۲۔ اس کانفرنس میں پسماندگی کی دوسری وجہ مسلم ممالک میں تعلیمی معیار کا ناقص ہونا اور عوام حتیٰ کہ سائنسدانوں کی ترویج سائنس میں عدم دلچسپی اور بے حسی کو قرار دیا گیا۔ اس کانفرنس میں یہ امر بھی سامنے لایا گیا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا فروغ دنیا کے تعاون اور اشتراک سے ہی ممکن ہے۔

لیکن اگر یورپ مشترک سائنسی مقاصد کے حصول کے لئے سر جوڑ کر بیٹھ سکتا ہے تو قرآن کے تفکر، تدبر اور تسخیر کے مخاطبین اپنی کوششوں کو ایک جگہ مرتکز کیوں نہیں کر سکتے؟ قرآن وحدیث کے مطالعہ کے بعد آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ فروغ علوم کے لیے براہِ راست ہدایات کے علاوہ کچھ اور محرکات بھی موجود ہیں زیادہ قوت اور سامان جنگ کی تیاری ... یہ حکم جنگی صنعتوں اور ان سے متعلق سائنسی علوم کے حصول کے لیے ایک اہم محرک ہے، عبادات اسلامی کے لیے سمت قبلہ کا تعین اور اوقات وغیرہ، سفر حج کے لیے سمتوں کا تعین اور تعمیر مساجد کے لیے حساب، الجبرا، جیومیٹری علم مثلث اور دیگر علوم میں مہارت درکار ہے۔ ہمارے اسلاف نے قرآن وحدیث کے احکام اور ترغیبات کے پیش نظر ہر شعبہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور یورپی دنیا میں اسلام کا نام روشن کر دیا اور آج ہمیں اپنے اسلاف سے کیا نسبت ہے؟

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

(اقبالؒ)

✿ ✿ ✿

مُلّا کی تحقیر !!

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

مُلا!
قابلِ توجہ اصطلاح
مادہ پرست معاشرے میں
مادیت گزیدہ لوگ
داڑھی رکھنے، نماز پڑھنے، نماز پڑھانے
اسلام اور اسلامی شعائر سے محبت کرنے والے
ہر دیندار شخص کو
مُلا کے لفظ سے یاد کرتے ہیں
ان کے نزدیک
مُلا کے اسلامی تو اسلامی
انسانی حقوق بھی کچھ معنی نہیں رکھتے۔
وہ اس کی تحقیر اور تمسخر اڑانے کو جائز سمجھتے ہیں۔
ان کے نزدیک
مُلا کا مذاق اڑانا
اس سے نفرت کرنا
اس کے ہر کام میں کیڑے نکالنا
روشن خیالی اور ترقی پسندی کی دلیل ہے۔
دنیا پرستی اور خود پسندی کے ڈسے ہوئے لوگ
ہر وہ خوبی
مُلا میں دیکھنا چاہتے ہیں
جو ان کے اپنے اندر موجود نہیں
اس کی ایک ادنیٰ بُرائی بھی
انہیں اپنی لاکھوں برائیوں پر بھاری نظر آتی ہے

ان کی ادنیٰ برائی بھی اپنے لاکھوں برائیوں پر بھاری نظر آتی ہے

مُلا کا مذاق روشن خیالی کی علامت بن گئی ہے

مُلا
کوئی مافوق البشر مخلوق یا فرشتہ نہیں
وہ بھی گوشت پوست کا انسان ہے
اسی ماحول اور اسی معاشرے میں رہتا ہے

وہ ماحول

جس میں جبر، تشدد، ظلم، نفرت، تعصب،

حرص، ہوس، منافقت، غربت، افلاس،

جہالت، شہوت، سفارش، چور بازاری، ملاوٹ،

اغوا، ڈکیتی اور قتل و غارت کی فرمانروائی ہے۔

اس پہ مستزاد

مُلّا کی تنگ دستی اور معاشی مجبوریاں ہیں

اس لیے اس میں کسی کمی، کجی، کوتاہی یا غلطی کا پایا جانا خلاف فطرت نہیں

مُلّا کی کسی کمزوری پہ تنقید باعث افسوس نہیں

مُلّا کی آڑ میں

دین اور دینی شعائر کے خلاف ہو جانا باعث تشویش ہے۔

اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے ملک میں اسلامی شعائر کے خلاف ہرزہ سرائی ہر مسلمان کے لیے تکلیف دہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ:

دین کے خلاف ذہن آج کی پیداوار نہیں اس کے پیچھے پوری دو صدیوں کی تاریخ ہے۔ انگریز نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے انہوں نے برصغیر میں ہندوؤں کی بجائے مسلمانوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ مدرسے ویران ہوئے، خانقاہوں کے اوقاف ضبط ہوئے۔ فارسی اور عربی جاننے والے جو کبھی عزت، وقار اور بزرگی کی علامت تھے معاشرے میں بے روزگار، بے وقعت اور بے توقیر ہو کر رہ گئے۔

انگریزوں نے عملاً ہر اس شخص، ہر اس رسم، ہر اس رواج اور ہر اس روایت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جس کا تعلق کسی طرح بھی اسلام سے تھا۔ مُلّا کے لفظ کا تحقیری مفہوم اسی دور کی خباثت ہے۔ اس سازش افرنگ کے نتیجے میں مسلمان کمزور ہوئے اور دین سے دور بھی۔ انگریز کے نظامِ تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں نام کی مسلمان رہیں مگر ان کا عمل اسلام سے دور نکل گیا، انہیں اس قدر دھوکے میں مبتلا کیا کہ انہیں اتنا بھی احساس نہ رہا کہ داڑھی کی مخالفت کرتے ہوئے وہ صرف مُلّا کی مخالفت نہیں کر رہے بلکہ اپنے نبی مکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور محبوب عمل کو چھوڑ رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ

جب انگریز مسلمانوں اور اسلام کو تباہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر رہا تھا

یہی مسجد کا مُلّا

محلے کی روٹیوں پر گزارہ کر کے، روکھی سوکھی کھا کر، ٹوٹی پھوٹی چٹائی پر بیٹھ کر نئی نسل تک اپنا دین منتقل کر رہا تھا۔ اس نے اپنی انا مجروح کی، اپنی دنیا تباہ کی، تنگ دستی برداشت کی

آسائش و آرام کو چھوڑا

مگر

اپنے نبی مکرم ﷺ کے دین کو نہ چھوڑا

اور یہ اس سخت جان مُلّا کی استقامت تھی کہ

انگریز کی سازش ناکام ہوئی

اور اسلام، قرآن اور ذخیرہ احادیث اپنی تمام تر تفصیل کے ساتھ بحفاظت آگے منتقل ہوا۔

اس لیے ضرورت ہے کہ

ہم محض کسی دیندار آدمی کی کسی غلطی کو بنیاد بنا کر اسلامی شعائر کی مخالفت نہ کریں۔ کیونکہ اگر مُلّا غلط کام کرے گا تو سزا خود بھگتے گا۔

اگر ہم غلط کام کریں گے تو سزا بھی ہم بھگتیں گے۔

ایسا نہیں ہوگا
کہ روزِ محشر خدا ہمارا یہ عذر قبول کر لے
کہ ہم اس لیے غلط کام کرتے تھے
گناہ کرتے تھے
شراب پیتے تھے
دوسروں کے حقوق مارتے تھے
کمزوروں پر زیادتی کرتے تھے
طاقتوروں کی خوشامد کرتے تھے
دین کا مذاق اڑاتے تھے
نماز، روزہ اور حج کو بے مقصد جانتے تھے
قرآن کو پچھلے زمانے کی کتاب سمجھتے تھے
اس کے احکام کو ہر بدلتے زمانے کے مطابق بدل ڈالنے کو ضروری سمجھتے تھے
قرآن کے قوانین اور ضابطوں کو دہشت انگیز اور وحشیانہ کہتے تھے
کہ ہمارے محلے کا مولوی اور مسجد کا مُلّا
غلط کام کرتا تھا۔ اس کا اخلاق اچھا نہ تھا۔
سمجھنے اور سوچنے کی بات ہے
ہر ایک نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے
اپنا اپنا حساب دینا ہے

مسجد کے مُلّا نے اپنا حساب دینا ہے اور مقتدی نے اپنا حساب دینا ہے۔ مملکت کے سربراہ نے اپنا حساب دینا ہے اور ہر شہری نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر سیاست دان نے اپنا حساب دینا ہے ہر تاجر نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر مزدور نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر طبیب نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر مریض نے اپنا حساب دینا ہے ہر استاد نے اپنا حساب دینا ہے ہر شاگرد نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر والد نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر اولاد نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر ماں نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر بیٹی نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر شوہر نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر بیوی نے اپنا حساب دینا ہے۔ ہر ہر شخص، ہر ہر فرد نے اپنے اپنے عمل کا اپنا اپنا حساب دینا ہے۔

مُلّا یا مولوی کی غلطیوں کی اصلاح کی خواہش جائز بھی اور لائق تحسین بھی مگر اس کے لیے ہمیں خود ظاہر و باطن میں مسلمان ہونا پڑے گا۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونا پڑے گا اسلام کے ساتھ جینا اور ایمان کے ساتھ مرنا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ مُلّا دشمنی کی آڑ میں دین ہی کا حلیہ بگاڑتے رہیں اور سمجھیں کہ ہم اسلام کو جدیدیت کا رنگ دے کر اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔

خود کو بدلے بغیر ہم دوسروں کو نہیں بدل سکتے۔
اپنی اصلاح کیے بغیر ہم دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتے
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اپنے ذمے کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

✿ ✿ ✿

استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث

علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ

محمد نواز کھرل

قلم اٹھاتا ہوں، پھر رکھ دیتا ہوں، پھر اٹھاتا ہوں، پھر رکھ دیتا ہوں، لکھنا چاہتا ہوں مگر الفاظ نکلتے اور لکیریں بنتے جا رہے ہیں۔ دماغ شل اور انگلیاں جیسے فگار ہو چکی ہیں۔ دل اور سر دونوں کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں کیونکہ علم، دانش، معرفت اور تدریس کا وہ چاند موت کی وادی کے افق میں ڈوب گیا ہے جس کے ڈوبنے سے ہزاروں دل ڈوب رہے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ نصف صدی تک علم و عرفان کے آسمان پر چاند کی طرح رعنائیاں بکھیرنے والے، عالمی شہرت کے حامل عالمِ دین، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ دنیائے فانی سے عالمِ دوام میں جا بسے ہیں۔ آج کتنی آنکھیں ان کی یاد میں نم ہیں کہ وہ عزیز جاں بھی تھے اور عزیز جہاں بھی۔ زندہ رہے تو ہزاروں دلوں کی دھڑکن بنے رہے، دنیا سے چلے گئے تو لاکھوں کے گریہ نیم شب کی دعاؤں میں رچ بس گئے ہیں۔ اُن کے اُٹھ جانے سے ایک بھیانک خلا چاروں طرف محسوس ہوتا ہے۔ آج وہ روحانی روشنیوں سے جگمگاتا چہرہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ وہ چہرہ جس کی زیارت سے زندگی سے روٹھے ہوؤں کو بھی زندگی سے پیار ہو جاتا تھا۔

وہ چہرہ تو کبھی کا جا چکا ہے
دریچے میں ابھی تک روشنی ہے

سو سے زائد علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ راہِ علم میں آبلہ پائی کے درد کی لذت سے آشنا تھے۔ اتباعِ رسول ﷺ کی روشنیوں سے نور مند تھے۔ وہ علم کی روشن دلیل اور دانش کی آبرو تھے۔ وہ ہمہ وقت قرآنی اوراق اور دینی کتب میں ڈوبے رہنے والے مخلص عالمِ دین تھے۔ وہ پیری کی حواس شکن عمر میں بھی روزانہ سولہ گھنٹے تصنیفی اور تدریسی کام کرنے والے محنتی استاد تھے۔ وہ تہجد گزاری کے مشک بو لمحوں میں بیدار ہونے اور ہر اذان کے ساتھ سجدہ ریز ہو جانے والے اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے تھے۔ وہ ہمیشہ نرم، مہربان اور دلگداز لہجے میں بات کرنے والے ایک دھیمے اور سادہ سے انسان تھے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ کی من موہنی شخصیت میں گمشدہ زمانوں کے علماء کی سی مقناطیسی کشش پائی جاتی تھی۔ ان کے عالمانہ وقار میں عاجزانہ انکسار کی ایسی آمیزش تھی کہ پہروں ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی دل کو چھو لینے والی باتیں سننے کو جی چاہتا تھا۔ اٹل عقیدہ، کھرا موقف، بے باکانہ اظہار، محنت، اخلاص، سنجیدگی، عبادت، ریاضت، مہمان نوازی یہ وہ ادائیں اور اوصاف تھے جو علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ کی شخصیت کو حُسن و زیبائی عطا کرتے تھے۔ وہ اُن لوگوں میں سے ایک تھے جن کی سادگی اور سچائی انہیں قابلِ قدر بناتی ہے۔ وہ اپنی ذات کے لیے کسی صلے، ستائش اور انعام کے آرزو مند نہیں تھے۔ برسوں کی ریاضت نے ان کی شخصیت میں ایک حیران کر دینے والی ترتیب اور ششدر کر دینے والی بے نیازی پیدا کر دی تھی۔ وہ مظاہر قدرت کی طرح وقت کی پابندی کرتے تھے۔ وہ لایعنی ملاقاتوں اور بے معنی باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے چہرے سے بچوں جیسی پاکیزگی اور آسمانوں جیسا تقدس جھلکتا تھا۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ کی عکس در عکس چمکدار آئینے جیسی شخصیت میں ایک انوکھی فقیرانہ شان ہر وقت جاگتی رہتی تھی۔ بخدا ایسی وہ مردانِ باخدا ہوتے ہیں جو معاشروں کو انعام کے طور پر بخشے جاتے ہیں اور وہ قوموں کو توقیر عطا کرتے ہیں۔

وہ علم کی روشن دلیل اور دانش کی آبرو تھے

ان کی تدریسی زندگی کا زیادہ عرصہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں بسر ہوا

ہزاروں علماء کے استاد، علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ ہفتہ یکم ستمبر 2007 کو ایک بج کر پینتالیس منٹ پر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اسی روز رات دس بجے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے مزار پر انوار کے سائے تلے حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب نے نمازِ جنازہ

پڑھائی اور رات گئے علم و حکمت کے اس آفتاب کو ٹھوکر نیاز بیگ کے نواح میں واقع جوڈیشل کالونی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر 63 سال 18 دن تھی۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ کے حالاتِ زندگی کی کھوج لگانے پر معلوم ہوا کہ وہ 13 اگست 1944ء کو بھارت کے ضلع ہوشیار پور کے گاؤں مرزاپور میں مولوی اللہ دتہ کے گھر پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ان کے خاندان نے لاہور ہجرت کی۔ انھوں نے 1951ء میں ایم سی پرائمری سکول انجن شیڈ لاہور سے پرائمری تعلیم کا آغاز کیا اور 1955ء میں پرائمری تعلیم کی تکمیل کے بعد جامعہ رضویہ فیصل آباد میں علومِ دینیہ کے حصول کے لیے داخلہ لیا۔ یہاں پر انہیں محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری کی صحبت میں رہ کر علمی پیاس بجھانے کا موقع میسر آیا۔ وہ بعد ازاں تعلیمی مراحل کی تکمیل کے لیے دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف (سرگودھا)، جامعہ امدادیہ مظہریہ بندیال (خوشاب) اور جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری لاہور میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ ان عظیم دینی درسگاہوں میں علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ کو اپنے عہد کے ممتاز ترین اساتذہ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضویؒ، حضرت علامہ عطا محمد بندیالویؒ، مفتی محمد عبدالقیوم ہزارویؒ سے علم سیکھنے کی سعادت اور اعزاز حاصل ہوا۔ 1964ء میں تحصیل علوم سے فراغت کی سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد مارچ 1965ء میں علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ نے عظیم اور قدیم دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ لاہور سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ بعد ازاں مختلف برسوں میں جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ (سرگودھا)، مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم چکوال، جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں بھی علومِ دینیہ کی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے لیکن ان کی تدریسی زندگی کا زیادہ عرصہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں بسر ہوا اس دانش گاہ میں وہ صدر مدرس کے منصب پر بھی فائز رہے جبکہ علامہ شرف قادریؒ اپنی وفات کے وقت جامعہ اسلامیہ لاہور میں شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اس طرح ان کی تدریسی زندگی کم و بیش 42 سال پر محیط ہے اس دوران انھوں نے ہزاروں علماء تیار کیے وہ اس وقت ملک کے مختلف شہروں اور بیرون ممالک میں خدمتِ اسلام کا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ ایک لائق، قابل اور مخلص استاد ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ طرز لکھاری بھی تھے۔ انھوں نے سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں، بے شمار عربی کتابوں کے تراجم کئے اور بلاشبہ ہزاروں مضامین اور مقالے تحریر کیے جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ ان کی بے شمار کتابوں میں اندھیرے سے اُجالے تک، شیشے کے گھر، مقالاتِ سیرتِ طیبہ، اسلامی عقائد، عظمتوں کے پاسبان، نور نور چہرے، زندہ جاوید خوشبوئیں، شہریارِ علم، تذکرہ اکابرِ اہلسنت بے حد مقبول ہوئیں اور ان کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ نے جہاں ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں، وہاں ان کا بسترِ علالت پر قرآن حکیم کا ترجمہ تحریر فرمانا ان کی قرآن سے سچی محبت کا ثبوت ہے۔

ان کا بسترِ علالت پر قرآن حکیم کا ترجمہ تحریر فرمانا ان کی قرآن سے سچی محبت کا ثبوت ہے

علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ استاد اور مصنف کے علاوہ شیخِ طریقت بھی تھے۔ وہ طریقت کے چاروں سلاسل میں مجاز تھے اور انہیں محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمدؒ، علامہ ابوالبرکات، سید احمد قادریؒ اور مولانا ریحان رضا خانؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ 1980ء میں اہلِ قلم کی ملک گیر تنظیم "سنی رائٹرز گلڈ" کی صدارت کے منصب پر بھی فائز رہ کر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ ہر ایک کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے منکسر المزاج، دور اندیش اور بالغ نظر عالمِ دین تھے، ان کی ذات خیرآبادی اور بریلوی طرزِ تدریس کا حسین سنگم تھی ان کا طریقہ تدریس عرب و عجم کے مسلمہ محدثین سے ملتا تھا۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ نے اپنے پسماندگان میں بیوہ، دو بیٹیاں اور تین بیٹے چھوڑے ہیں۔ ان کے تینوں بیٹے ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، حافظ نثار احمد قادری اور مولانا مشتاق احمد قادری اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عمدہ صلاحیتوں کے مالک ہیں اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے عظیم اور عہد ساز باپ کے مشن کا جھنڈا آگے بڑھ کر نہ صرف تھام لیں گے بلکہ ہمیشہ اسے سربلند رکھیں گے۔ حرفِ آخر یہ کہ

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

✿ ✿ ✿

دین کا ایک مخلص خادم نہ رہا

محسنِ اہلِ سنت، شیخ الحدیث، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

عمر حیات قادری، برطانیہ

اللہ رب العزت جن شخصیات سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اور دین کا کام لینا چاہتا ہے انہیں دین کی صحیح فکر اور کامل شعور عطا فرما کر لوگوں کی راہبری ورا ہنمائی کے لئے منتخب فرمالیتا ہے اور پھر وہ برگزیدہ اور عظیم شخصیتیں اپنے پاکیزہ کردار و عمل اور علمی عبقریت و قابلیت کی بدولت قوم کی صحیح راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ انہی قابل قدر اور عظیم شخصیتوں میں ایک شخصیت محسن اہل سنت، شیخ الحدیث، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو گزشتہ دنوں اس دار فانی سے آغوش رحمت میں چلے گئے۔ قبلہ شرف صاحب کو اس زمانے کے سب سے بڑے عالم استاذ العلماء، امام المناطقہ مولانا عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب علم کی سعادت حاصل تھی بلکہ بارہا قبلہ شرف صاحب کے حوالے سے امام المناطقہ فرمایا کرتے تھے کہ "مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری سے تو میرا دل بھی خوش ہے اور میری روح بھی راضی ہے"۔

آپ کا شمار ان عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کے پیغام عام کرنے میں گزاری۔ میدان تدریس کے شہسوار، اخلاقی قدروں کے بہترین حامل، عالم باعمل، عاشق رسول ﷺ، خدمت دین کے جذبہ سے سرشار، پیکر تقویٰ و پرہیزگاری اور نہ جانے کتنی خصوصیات سے اللہ رب العزت نے انہیں نوازا تھا۔ ان کی شخصیت یقیناً امت مسلمہ کے لئے بے مثال نعمت، انمول جوہر اور سرمایہ افتخار تھی، ہندوستان کے عظیم محدث اور فقیہ حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدیؒ کی موجودگی میں جب قبلہ شرف صاحب نے حضرت سید محمد شاہ دولہا بخاریؒ (کراچی) کے سالانہ عرس مبارک کی تقریب سے خطاب فرمایا تو بعد ازاں اپنے صدارتی خطاب میں شارح بخاری، فقیہ ہند فرمانے لگے "مجھ سے پہلے رئیس القلم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب تقریر کر رہے تھے وہ تقریر کے بھی بادشاہ ہیں، وہ تحریر کے بھی بادشاہ ہیں اور اللہ نے چاہا تو وہ روحانیت کے بھی بادشاہ ہوں گے"۔ قبلہ شرف صاحب نے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے درجنوں کتابیں تصنیف کیں جو اُن کے بہترین مصنف ہونے کا ثبوت ہیں۔ ایک عظیم مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریر کی دنیا میں جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ انہیں زندہ رکھے گا قبلہ شرف صاحب کی تحریر کے حوالے سے استاذ العلماء مولانا عطا محمد بندیالویؒ کے سالانہ عرس مبارک سے خطاب کرتے ہوئے سجادہ نشین درگاہ گولڑہ شریف پیر سید نصیر الدین نصیر شاہ صاحب نے فرمایا "میں لوگوں کی کتابیں کم پڑھتا ہوں مگر مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کی کتابیں ضرور پڑھتا ہوں کیونکہ انہیں لکھنے کا سلیقہ آتا ہے"۔

> **تحریر کی دنیا میں جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ انہیں زندہ رکھے گا**

درجنوں کتابوں کی تصنیف سے بھی بڑا کام جو انہوں نے نصف صدی سے زائد عرصہ میں انتہائی جانفشانی سے سرانجام دیا وہ افراد سازی کا کام ہے انہوں نے رجال دین تیار کیے تشنگان علم کو سیراب کیا۔ معاشرے کے لئے مفید اور فائدہ مند افراد کی وہ جماعت تیار کی جو آج پاکستان کے چاروں صوبوں، آزاد کشمیر اور دنیا بھر میں خدمت دین متین میں مصروف عمل ہیں۔

قبلہ شرف قادریؒ کی ذات یقیناً جماعت اہلسنت کی آبرو تھی

قبلہ شرف صاحب کے سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل تھا جو ہر دم انہیں جماعت کے غم میں بے چین رکھتا دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں

یہی فکر دامن گیر رہتی کہ باطل کی یلغار کا مقابلہ اور دفاع کس طرح کیا جائے۔ متحرک اور فعال افراد کی ان کو ہمیشہ تلاش رہتی انہیں وہ شخص بہت پسند تھا جو جماعت کے لئے درد اور کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتا ہو۔ ہم نے جب بھی حُفّہ فاؤنڈیشن کی طرف سے اشاعت دین کا کوئی پروگرام بنا کر اُن سے مشاورت کی، انہوں نے ہمیشہ کی طرح انتہائی محبت اور خلوص سے حوصلوں اور ہمتوں کو بلند کیا مجھے بار ہا ان کی زیارت اور صحبت میں حاضر ہونے کا موقع ملا ہر بار ان کی شخصیت نے از حد متاثر کیا اور ان کی مجلس نے ایک نیا ولولہ اور جذبہ عطا کیا۔

وہ علم وفضل کے خورشید تاباں اور خلوص وللٰھیت کا مجسمہ تھے۔ علم پرور اور علما وطلبا پر یکساں شفقت فرمانے والے تھے، بالخصوص تحریر و تصنیف کا کام کرنے والوں اور اشاعت کے میدان میں سرگرم افراد کو خصوصی توجہ اور حوصلہ افزائی اس انداز میں فرماتے کہ ان میں مزید کام کرنے کی لگن اور جذبہ اور زیادہ پیدا فرما دیتے۔ درجنوں دینی وملی اداروں، تحریکوں وتنظیموں اور اشاعتی وتحقیقی محاذوں پر سرگرم عمل اداروں کے سرپرست قبلہ شرف قادری صاحب کی ذات یقیناً جماعت اہلسنت کی آبرو تھی ایک ایسے ہمہ جہت عالم دین تھے کہ دور دور تک ان کا کوئی مماثل نظر نہیں آتا۔ افسوس کہ قبلہ شرف صاحب کی رحلت سے ان کے تلامذہ اور وابستہ علما وطلبا سمیت وہ ادارے بھی یتیم ہو گئے جن کی آپ سرپرستی فرماتے تھے۔ قبلہ شرف صاحب کو سلسلہ قادریہ میں شرف بیعت حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادریؒ سے حاصل ہوا۔ حضرت امین شریعت حضور سید امین میاں برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف (انڈیا) اور حضرت ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا قادری بریلوی سمیت ستر سے زائد جلیل القدر علما ومشائخ سے حدیث نبوی، علوم دینیہ اور متعدد سلاسل طریقت میں خلافت واجازت حاصل تھی اور بہت سے جید وجلیل القدر علمانے ان سے روایت حدیث کی اجازت لی اور بہت سے علما کو آپ نے خلافت سے بھی نوازا۔

> **وہ علم وفضل کے خورشید تاباں اور خلوص وللٰھیت کا مجسمہ تھے**

ہمارے ہاں دستور یہ ہے کہ کسی اہم شخصیت کے وصال کے بعد ان کے عرس کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کی سوانح پر کوئی کتاب شائع کر دیتے ہیں یا کسی ماہنامے کا نمبر اور یہ بھی خال خال اہتمام ہوتا ہے جبکہ علم اور اہل علم کی قدر کرنا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا ہی اہل شعور کا طریقہ ہے۔ یہ قبلہ شرف صاحب کا جذبہ اخلاص تھا کہ اہل سنت کے مختلف اصحاب فکر ودانش نے ان کی زندگی میں ہی انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا اہتمام بنایا اور ان کی شخصیت پر کتابیں بھی لکھی گئیں۔

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے نہ انکار ممکن ہے اور نہ فرار ممکن ہے ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے جس اس دنیا میں آیا ہے وہ ایک دن ضرور جائے گا اصل سانحہ تو یہ ہے کہ جانے والے جا رہے ہیں مگر ان کی جگہ لینے والا کوئی پیدا نہیں ہو رہا۔ قبلہ شرف صاحب کے وصال سے جو خلا پیدا ہوا ہے شاید کبھی پُر نہ ہو سکے ان کا وصال جماعت اہل سنت کے لئے ایک اعصاب شکن صدمہ اور ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ۲۴ شعبان ۱۳۶۳ھ اور 13۔ اگست 1944 کو مزار پور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہونے والے قبلہ شرف صاحب اس دار فانی سے 63 سال گزار کر یکم ستمبر 2007 کو ایک بج کر 45 منٹ پر آغوش رحمت میں چلے گئے۔ ساری دنیائے سنیت سوگوار ہے کیونکہ یہ فرد یا افراد کا غم نہیں یہ جماعت کا غم ہے۔ کون کس کے غم میں شریک ہو، کون کس کے سامنے آنسو بہائے کہ سب ہی اشکبار ہیں ہم جملہ احباب حُفّہ فاؤنڈیشن (برطانیہ و پاکستان) صاحبزادگان قبلہ شرف صاحب، وابستگان، علما کرام وطلبا، مریدین سے دلی تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت قبلہ شرف صاحب کو اپنے مقام قرب میں بلند سے بلند درجے عطا فرمائے ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

✿ ✿ ✿

اُف سرقہ راز کیا ہے
دعا دو معاف ہو جائے

حافظ شیخ محمد قاسم

لالہ جی محمد جمشید قدس سرہ الکریم شاہ جی کے پیر و مرشد ہیں اور ہمارے دادا مرشد۔ لالہ جی علیہ الرحمہ کو شاہ جی سے بے انتہا محبت تھی۔ شاہ جی پہلی مرتبہ عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے تو مرشد کریم کی بارگاہ میں حاضری ہوئی مجھے شاہ جی کے ساتھ گاڑی چلا کر "مرج البحرین" سے فیض پانے کی سعادت ملی، کچھ باتیں تو لاہوت جبروت کی ہوئیں، جو میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ یہ مقامِ حیرت ہے سکر ہے صحو ہے کچھ جان نہ سکا البتہ شاہ جی نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا اور پھر کھل کر روئے بعد میں یہ راز کھلا کہ یہ مسترشد کی مرشد سے آخری ملاقات تھی۔ باتوں کا سلسلہ تھما اور تھوڑی دیر کے لیے محفل پر جیسے کسی نے سکوت اور نور کی چادر ڈال دی ہو۔ لالہ جی فرمانے لگے شاہ جی گذشتہ شب صحن میں لگے ہوئے اس درخت کے نیچے خواب میں بارگاہِ رسالت ﷺ کے اندر میری حاضری ہوئی، میں نے شاہ جی آپ کے دردِ دل کا ذکر کیا تو آپ ﷺ فرمانے لگے "کہو کہ سونف اور کہر کا سفوف بنا کر ایک چمچ روز کھائے، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا"۔

حضور ﷺ نے فرمایا "سونف اور کہر کا سفوف کھاؤ دل کا درد ٹھیک ہو جائے گا"

شاہ جی کہتے ہیں میرے دل کا زخم ٹھیک ہو گیا روح مستقل حزن و ملال کا شکار ہو گئی شاید اشارہ پیر و مرشد کے دنیا سے اٹھ جانے کی طرف تھا۔

راولپنڈی میں راجڑ شریف معروف علمی اور روحانی زاویہ ہے یہاں کے مفتی غلام ربانی صاحب علیہ الرحمہ نیک دل، خدا ترس، متقی اور زاہد عالم دین تھے۔ علاقہ میں اُن کی روحانی کرامات کا چرچا تھا۔ آپ شاہ جی سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتے تھے۔ 1988ء کا الیکشن ہوا تو شاہ جی راجڑ شریف گئے آپ قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لے رہے تھے۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو پتہ چلا تو آپ استقبال کے لیے گاؤں سے باہر آئے۔ مجھے اب بھی یاد ہے ایک پھلاہی کے بڑے درخت کے نیچے دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ فرمانے لگے شاہ جی! ہماری جان، ہمارا مال، ہمارا ووٹ سب کچھ آلِ محمد ﷺ کا ہے لیکن آپ تکلیف نہ فرمائیں آپ الیکشن نہیں جیت سکتے" میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی ہے شاہ جی آپ اپنا سر آپ ﷺ کے مبارک کندھوں پر رکھ کر رو رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں "اتنا فی الآخرۃ حسنا" مجھے آخرت میں حسنہ دے، میں نے تعجب سے عرض کی حضور ﷺ شاہ جی "اتنا فی الدنیا" نہیں پڑھ رہے، فرمایا "اس کا حصہ آخرت میں ہے" مفتی صاحب نے فرمایا پیرو! میں یہی سمجھا ہوں الیکشن میں آپ کا حصہ نہیں۔

شاہ جی بجھے بجھے واپس ہوئے۔ میں نے پوچھا جناب اب کیا ہوگا آپ نے روتے ہوئے فرمایا میرا حصہ آخرت میں ہے لیکن نیکی اور بدی کی کشمکش میں نیکی کی طرف اُٹھنے والا قدم واپس نہیں ہو سکتا۔

شاہ جی دو چار ہزار ووٹوں سے قومی اسمبلی کا انتخاب ہار گئے لیکن ایک دن ٹینچ بھاٹہ میں ہم سب آبادی نمبر تین کی مسجد میں درس کے بعد بیٹھے تھے کہ ایک پُر اسرار شخصیت، باوقار چہرہ اور خوبصورت آنکھیں رکھنے والے بزرگ محفل میں داخل ہوئے محفل میں تقریباً سو آدمی موجود ہوں گے۔ رعب دار آواز میں سلام کیا اور شاہ جی سے مخاطب ہوئے:

"حضور ﷺ نے آپ کو سلام دیا ہے اور فرمایا ہے غم نہ کھاؤ اور نیکی کے غلبہ کے لیے جدوجہد جاری رکھو۔ ......"

وہ شخص کون تھا، کدھر سے آیا اور کدھر چلا گیا یہ راز ہے لیکن شاہ جی کو معلوم ہوگا ہمیں آج تک خبر نہ ہوسکی کہ وہ کون تھا؟
ہندوستان کی ایک بہت بڑی روحانی شخصیت نے شاہ جی کی طرف خط لکھا اور بہت ساری باتوں کے علاوہ استفسار کیا:

پراسرار شخصیت مسجد میں داخل ہوئی، یہ کون تھے اور راز کی بات ہے

ایک پھلاہی کے بڑے درخت کے نیچے دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی

''بندہ نواز! آپ کے بزرگوں کے صدقے
بارگاہ بے کس پناہ میں حضوری ہوئی
لیکن آپ کو
وہاں اقرب پایا
آپ کون سا درود شریف پڑھتے ہیں
معلوم ہوتا کہ
افادہ کے لیے اسے عام کیا جائے''۔

شاہ جی نے جواب لکھا:
''میرا کوئی وظیفہ نہیں ایک مسکین گناہ گار اور محتاج کردگار کی جگہ آپ ﷺ کے قدم ہیں دعا کرو یہ معراج پالوں البتہ درود شریف جو بھی پڑھوں توجہ سے پڑھتا ہوں''۔
معلوم نہیں انہیں یاد ہو نہ ہو ایک بار تلہ گنگ کے ایک سیفی بزرگ تشریف لائے اور شاہ جی سے کہا رات مولا علیؓ کی زیارت ہوئی۔ شہزاد شاہ بھی ساتھ تھے آپؓ نے ایک پیغام بھیجا کہ'' بیٹے سید ریاض کو کہو کہ درود ابراہیمی کی ایک تسبیح ہر روز پڑھا کرے......''
وفد تو چلا گیا میں نے شاہ جی کو آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ کچھ تبصرہ کریں لیکن ان چند جملوں کے سوا آپ نے کچھ نہ فرمایا:
عزیزم قاسم! میں چھوٹا آدمی ہوں، گناہ گار ہوں، اللہ کی رحمت کا محتاج ہوں، میرا کوئی مقام نہیں، بزرگوں کی عنایات سے انکار نہیں کرتا، مرشد کی نظر ہو تو آسمانوں کے بعد بھی دو قدم ہوتے ہیں، میرے لیے دعا کرو اللہ بزرگوں کے دکھائے ہوئے راستے پر استقامت نصیب کرے۔ ہمارے پیر صاحب نے کہا تھا خوابوں میں نہ کھو جاؤ شریعت بیضا کی روشنی میں زندگی بسر کرو، زندگی وہی اچھی ہے جس کے شب و روز میں بندہ مسلمان محسوس ہوتا ہے۔
قارئین شاہ جی کے رازوں کا سرقہ کیا ہے!
دعا فرماؤ معافی ہوجائے۔

❀ ❀ ❀

مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

جواد بلوچ

کوئی نصف شب کے قریب کی بات ہے کہ میں نے اپنا کام مکمل کیا اور پھر حسب معمول اپنے بستر پر لیٹتے ہی ٹی وی آن کر دیا کیونکہ اسی وقت ہی موقع ملتا ہے دن بھر تو ایسا مصروف کہ سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ آج ٹی وی آن کیا تو سکرین پر ایک علامہ صاحب جلوہ فرما تھے اور مختلف احکام شریعہ اور امور زندگی پر بحث کر رہے تھے۔ میں نے چینل تبدیل کیا تو دوسرے چینل پر بھی ایک مولانا تشریف فرما تھے اور اُسی مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی۔ مسئلہ ایک تھا مگر جوابات مختلف، جسے ایک مولانا عین عبادت اور جزو دین قرار دے رہے تھے جبکہ دوسرے مولانا واضح الفاظ میں اسے کفر گردانتے تھے۔

یہ کسی ایک دن کی بات نہیں بلکہ روزانہ کا معمول ہے میڈیا کا انسانی زندگی میں اور روزمرہ کے امور میں بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ ہر شخص روزانہ کسی نہ کسی طرح سے ان ذرائع ابلاغ سے مستفید ہوتا ہے اور ان کی پہنچائی ہوئی خبروں پر یقین بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح کہ جب زندگی بہت مصروف ہے اور زیادہ تر وقت دفتر کا کام کاج اور باقی کا گاڑی میں سفر کرتے ہوئے۔ گاڑی میں ایف ایم ریڈیو ساتھ ساتھ آفس میں اخبار اور گھر پر ٹیلی ویژن، گویا کہ دنیا بھر میں ہونے والی کوئی بھی کاروائی لمحوں میں دنیا بھر کی سماعتوں اور بصارتوں تک پہنچ جاتی ہے اور معلومات کی ترسیل کا تیز اور وسیع ذریعہ ان ذرائع ابلاغ کے علاوہ کچھ نہیں۔

مسئلہ ایک تھا مگر جوابات مختلف

مگر تھوڑا غور کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ میڈیا نے معاشرے کو بدل دیا ہے۔ اخلاقی قدریں اور معاشرتی بندھن بدل رہے ہیں، اسلامی تشخص اور مذہبی وقار تباہ ہو رہا ہے میڈیا اس میں صف اول کا ذمہ دار ہے۔

موجودہ دور میں ہر انسان مصروف ہے اور اپنے مادی وسائل میں اضافے کا خواہشمند۔ کچھ اسی طرح کی صورتحال ہمارے ریڈیو اور ٹی وی چینل کے ذمہ داران کی بھی ہے۔ اس وقت پاکستان کے مختلف شہروں میں غالباً100 سے زائد ایف ایم ریڈیو اور 35 سے 40 کے درمیان ٹی وی کے لائسنس مختلف پرائیویٹ کمپنیوں کو جاری کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ریڈیو اسلامی چینل نہیں جبکہ کوئی تقریباً12 ٹی وی چینل اسلامی ہیں۔ دراصل اگر ان کی نشریات پر غور کیا جائے تو واضح طور پر احساس ہوگا کہ یہ اسلامی نہیں مسالک چینل ہیں ان میں سے سنی مسلک کے تین، اہلحدیث مسلک کے تین اور شیعہ مسلک کے چھ نمائندہ چینل ہیں۔ باقی میں سے جو چینل کمرشل ہیں اگر اُن کی ملکیت دیکھی جائے تو زیادہ تر ٹی وی چینل کے مالکان اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن کی ٹرانسمیشن میں واضح طور پر اس بات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اسلامی ٹی وی چینل اسلام کی تو کجا اپنے مسالک کی بھی ٹھیک طرح نمائندگی نہیں کر رہے

اسلامی چینل یا تو کسی خاص ادارے، لابی یا مخصوص افراد کی طرف سے فنڈز حاصل کرتے ہیں یا پھر کسی خاص ملک کے پروردہ ہیں اور ان کی پالیسی بھی انہی افراد اور اداروں کی سوچ و فکر کی ترویج ہے جو اسلام کی بنیادوں اور اقدار کو نقصان پہنچانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، دوسری جانب کمرشل چینلز کی بقا بھی چونکہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے جاری کردہ اشتہارات سے حاصل کردہ رقوم پر ہے تو ان کی پالیسی بھی اس چیز کو مدنظر رکھ کر بنائی جا رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اشتہارات حاصل کریں اور ملٹی نیشنل کمپنیاں، یہودی اور عیسائی کاروباری حضرات کے

زیراثر تو گویا بالواسطہ کمرشل ٹی وی چینلز کی پالیسی بھی یہودیت اور عیسائیت کی طرز فکر کی نمائندہ ہے اور واہیات اور اخلاق باختہ پروگرامز کی بھرمار کررہی ہے کیونکہ اشتہارات کا حصول ان کے بغیر ناممکن ہے۔

ستم بالائے ستم کہ اسلامی ٹی وی چینل اسلام کی تو کُجا اپنے مسالک کی بھی ٹھیک طرح نمائندگی نہیں کررہے۔ کچھ ایسے پروگرام چلائے جا رہے ہیں جو اسلام کے نام کو بدنام کرنے میں کردار ادا کررہے ہیں۔ اسی طرح ایک اور نجی ٹی وی اپنی پالیسی کے مطابق مختلف مسالک کے علماء کو سامنے بٹھا کر اختلافی مسائل کو زیر بحث لاکر اسلام دشمنی اور اسلامی تشخص کو تباہ کرنے کے علاوہ اتحاد بین المسلمین کو نقصان پہنچا رہا ہے اور مسلکی اختلافات کو ہوا دے رہا ہے پھر شریک گفتگو بھی ان لوگوں کو کیا جاتا ہے جو صاحب عمامہ ہوکر بھی حقدار عمامہ نہیں۔ دوسری جانب جو صاحب علم وعمل اور کامل علماء ہیں یا تو ان کو بلایا نہیں جاتا یا پھر علما تشریف نہیں لاتے جس کی وجہ سے ادھ پڑھے اور نیم مُلا مکمل کردینی اقدار کو تہہ وبالا کرتے ہیں اور دنیا بھر میں اسلام کے تشخص کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگرچہ ایسے میں علما حق اور صاحبان علم حضرات کا دینی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کریں مگر سب خاموش ....؟

اگر اسی طرح ایف ایم ریڈیو کی بات کروں تو موجودہ دور میں انسان کا زیادہ وقت سفر میں گزرتا ہے اس دوران نہ پڑھا جاسکتا ہے نہ ہی کچھ دیکھا مگر سنا ضرور جاتا ہے اور سب سے زیادہ آج کل دوران سفر FM ریڈیو ہی سنا جاتا ہے مگر وہاں سے فقط گانے اور فضول گپ شپ کے پروگرام نشر ہوتے ہیں اور شاذ ونادر ہی کوئی دینی، اخلاقی، اصلاحی پروگرام نشر ہو پاتا ہے کیونکہ مالکان کو فقط رقم سے اور اشتہارات سے غرض ہے کچھ ریڈیو اور ٹی وی چینل مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندہ بھی ہیں گویا ہر کوئی اپنے مفادات کے حصول کے لیے سرگرداں ہے۔

شیطان اپنی تمام تر طاقتوں کے ساتھ وارد ہو چکا ہے

وہ نقصان جو مذہب کو سالوں میں پہنچا وہ اب دنوں میں پہنچ رہا ہے

لطف کی بات یہ کہ کوئی ایسا ادارہ نہیں کہ جو اخلاقی قدروں کو اسلامی تشخص کی بنیاد پر کوئی قانون کوئی قاعدہ وضع کرسکے اور پھر کوئی جرأت بھی نہیں کرسکتا کیونکہ سب کو خبر ہے کہ میڈیا کے بارے میں لکھنا یا بولنا خود کو زیر عتاب لانے کے مترادف ہے نہ کوئی ادارہ ان سے بگاڑ سکتا ہے اور پھر یہ ادارے مادی وسائل بھی خوب جمع کرچکے ہیں۔ ایک عمومی اندازے کے مطابق ملتان شہر میں واقع ایک FM ریڈیو کی ماہانہ آمدنی 50 لاکھ ہے اور بالاکوٹ میں واقع ایک ایف ایم ریڈیو نے 10 دنوں میں 10 لاکھ روپے کمائے اور اسی طرح بیسیوں مثالیں موجود ہیں گویا شیطان اپنی تمام تر طاقتوں کے ساتھ وارد ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہے کیبل آپریٹرز جو کہ ان چینلز کو گھروں تک پہنچاتے ہیں ان کی بھی اولین ترجیح پیسہ ہے کوئی بھی ٹی وی چینل بھلے وہ کیسا بھی ہو کچھ رقم دے کر اپنے چینل کو کسی بھی مخصوص علاقے اور شہر میں پھیلا سکتا ہے گویا کہ رقم ہی سب کا باوا آدم ہے۔ اخلاقیات کے درس پرانے ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔ طوالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو بھی ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ پچھلے دنوں ایک دوست ملے تو بتایا کہ وہ ایک اسلامی کیبل نیٹ ورک شروع کررہے ہیں اور آج کل وہ پنڈی اور اسلام آباد کے شہر میں اپنے کاروبار کو خوب بڑھا رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر سیاست سے کاروبار تک حکومت سے عدالت تک ہمیشہ ذاتی مفاد ہی حاصل کیا گیا ہے۔ ہمارے دوست کے اسلامی کیبل نیٹ ورک کا ہدف بھی ایک مخصوص فرقہ کی ترویج ہے۔ اسی طرح سی ڈی چینل بھی شامل کرکے خوب اسلام کو استعمال کرکے رقم کمائی جارہی ہے اور اُن کا کیبل نیٹ ورک شنید ہے کہ بعض مذہبی جماعتوں کی طرف سے فنڈ بھی حاصل کرتا ہے، گویا پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں۔

ایسے میں اسلام کے حقیقی پرستاروں اور دین حق کے محافظوں کو چاہیے کہ اپنا کردار ادا کریں اور عملی اقدامات اٹھا کر اس طوفان کو روکیں اور حقیقی اسلامی قدریں اور احکام شریعہ لوگوں تک پہنچائیں۔

نہ ادھر اُدھر کی بات کر یہ بتا قافلہ کیوں لُٹا
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

اس طرح کے میڈیا کے رویہ نے اخلاقی قدریں اور اسلامی تشخص کو مجروح کیا اور نوجوان نسل کو ایک کنفیوزڈ اسلام کا اثر دیا اور وہ نقصان جو مذہب کو سالوں میں پہنچا وہ اب دنوں میں پہنچ رہا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلان ابن فلاں چیزے نیست

سید ریاض حسین شاہ

سچائی گلابوں کی طرح مہکتی ہے لیکن اس کی مہک تنہا پیدا نہیں ہوتی اس کے ساتھ جھوٹ، تصنع، ریاکاری، بغض اور حسد کے کانٹے بھی اگتے ہیں۔ کوٹنالی ہی کی بات ہے ظہر کی نماز ادا ہو چکی تو امام نے سامعین کو مخاطب کیا اور کہا "سادات کوٹنالی" کو حماقتوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے کہ وہ سید ہونے کے باوجود لالہ محمد جمشید سے دھڑا دھڑ بیعت ہو رہے ہیں وہ کوہستانی ہیں۔ ذات نجانے کیا ہے سید کی بیعت غیر سید کے ہاتھ پر جائز ہوتی تو امام حسین پاک یزید پلید کی بیعت کر لیتے حسد کا غبار مسجد میں اٹھا۔ رقابتوں کی آندھیاں چلیں طعنوں اور الزامات کے تیر چست کیے گئے۔ حضرت لالہ جی علیہ الرحمہ کے کچھ متوسلین اور چند بغض حاسدین آپ کی محفل میں جا پہنچے آپ کے سامنے یہی مسئلہ اٹھایا گیا آپ نے کمال صبر تحمل اور متانت سے ارشاد فرمایا اس میں شک نہیں کہ میں سید نہیں ہوں بلکہ سادات کی غلامی کو باعث فخر گردانتا ہوں۔ میرا اصل علاقہ کونل چھن ہے۔ میرے والد بزرگوار مہربان شاہ سادات کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ساری زندگی اپنے مکان کی چھت پر صرف اس لیے نہیں چڑھے کہ پڑوس میں خانوادہ رسول ﷺ کے چند گھرانے تھے۔ اہل بیت کی محبت اور احترام ہماری گھٹی میں ڈالا گیا ہے لیکن یہ سادات ہی کا سبق ہے کہ جو کسی کے لیے مٹتا نہیں وہ کچھ پاتا نہیں۔ ہمارا مقصد پیری مریدی نہیں بلکہ مل کر کسی کو تلاش کرنا ہے۔ کسی کے عشق میں جلنا ہے اور یہ کہ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے حضرت جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سید کی بیعت غیر سید کے ہاتھ پر جائز ہوتی تو امام حسین پاک یزید پلید کی بیعت کر لیتے

وادی تناول میں سادات کو مرید بنانے کے لئے نہیں آیا بلکہ پیر بنانے کیلئے آیا ہوں

پھر آپ نے ایک حدیث شریف کا مضمون بیان کیا جو اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قوموں کو ضرور اس بات سے رک جانا چاہیئے کہ وہ اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر کریں اس لیے کہ وہ یا تو دوزخ کے کوئلے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو گندگی کو ناک سے دھکیلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے آباؤ اجداد پر فخر کرنے اور غرور و جہالت کو دور کر دیا ہے، نہیں ہے سوائے اسکے یا تو وہ تقویٰ دار مومن ہے یا بد بخت فاجر۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت لالہ جی علیہ الرحمہ نے اس کے بعد خوش طبعی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں وادی تناول میں سادات کو مرید بنانے کیلئے نہیں آیا بلکہ پیر بنانے کیلئے آیا ہوں۔ یہ موتی ہیں اور بدعات وخرافات کی گرد و غبار نے ان گہر ہائے تابدار کی چمک کو متاثر کر رکھا ہے۔ یقیناً تقویٰ کی راہ پر چلنا ہی ہم سب کے لئے بھلائی رکھتا

ہے۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر متقی اور پرہیزگار میری آل سے ہے۔
آنکھیں بند فرمائیں اور زور سے فرمایا
توبہ......توبہ

چھوڑو ان باتوں کو آؤ ذکر کرتے ہیں۔حلقہ بنایا گیا۔اچھی طرح یاد پڑ رہا ہے کہ شبنمی رت تھی اور گھنے درختوں سے چاندنی چھن چھن کر حلقہ ذکر پر پڑ رہی تھی اور ہو رہی تھی ایسے لگ رہا تھا جیسے ستارے بھی اپنے حسن فتنہ شکن کے ساتھ شریک ذکر ہوں۔دعا کے لئے آپ نے ہاتھ اٹھائے جیسے آپ نے روحوں کو اپنے ہاتھوں پر رکھ کر حظیرہ قدس میں داخل کر دیا ہو۔

ہائے وہ راتیں

ملاقاتیں

اور باتیں

خدا کے نور کو چھو کر یہ سوچتا ہوں ندیم
کہاں کہاں مجھے لائی میرے خیال کی رو

نمازتراویح کی اصل کیا ہے؟

❁ سوال: نمازتراویح کی اصل کیا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے نمازتراویح ادا فرمائی؟ نیز تراویح کی رکعات بارے شرعی احکامات کیا ہیں؟ ہمارے ہاں اکثر لوگ 20 رکعت پڑھتے ہیں جبکہ بعض کو آٹھ پڑھتے بھی دیکھا گیا ہے؟

☆ جواب: نبی کریم ﷺ کا نمازتراویح پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ روافض کے علاوہ پوری امت قیام رمضان کے سنت ہونے پر متفق ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مشہور روایت اس حوالے سے ہر قسم کے شک وشبہ کے ازالہ کے لئے کافی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

"ان النبی ﷺ صلی فی المسجد فصلی بصلوته ناس ثم صلی من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثه فلم یخرج الیهم رسول الله فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج الیکم الاانی خشیت ان تفرض علیکم وذلک فی رمضان" (سنن ابی داؤد، بخاری، مسلم)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز ادا فرمائی تو لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آئندہ رات بھی آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ پھر لوگ تیسری رات بھی جمع ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "میں تمہیں دیکھ رہا تھا مگر میں صرف اس ڈر سے باہر نہ نکلا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے" اور یہ رمضان کی نماز (تراویح) تھی۔ مذکورہ بالا حدیث میں تو صرف نمازتراویح ادا کرنے کا ذکر ہے حضور علیہ السلام نے نہ صرف نمازتراویح پڑھی بلکہ اس کے پڑھنے کی خوب ترغیب دلائی۔ یہ حدیث تو درجہ شہرت کو پہنچ چکی ہے۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه (بخاری، مسلم، ابو داود)

جس نے رمضان میں ایمان اور نیت ثواب کے ساتھ قیام کیا اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

نمازتراویح کی رکعات بارے ائمہ اسلام کے درمیان اختلاف منقول ہے۔ مگر سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ میں سے کسی کے نزدیک بھی نمازتراویح 20 رکعت سے کم نہیں ہے۔ وگرنہ 20 سے زیادہ رکعات کی روایات بھی موجود ہیں۔ نافع کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو چھتیس تراویح اور 3 وتر پڑھتے دیکھا۔ اور امام مالک کے نزدیک 36 رکعات تراویح ہی مسنون تھی۔ نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاریوں کو 36 رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے 28 اور 26 رکعات کا معمول منقول ہے۔ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت سائب بن یزید کی روایت نقل کی ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ پاک میں لوگ 20 رکعات پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت مولیٰ علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن ابی ملیکہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے تراویح کی 20 رکعات ہی منقول ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی تراویح کی 20 رکعات ہی مسنون ہیں۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ھدایہ میں ہے

یستحب ان یجتمع الناس فی شھر رمضان بعد العشاء فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات کل ترویحة بتسلیمتین. (فصل فی قیام رمضان)

''اور لوگوں کے لئے مستحب ہے رمضان المبارک میں عشاء کی نماز کے بعد جمع ہونا اور امام کو انہیں پانچ ترویحے پڑھانا جن میں سے ہر ترویحہ دو سلاموں پر مشتمل ہو۔''

اسطرح ہر ترویحے میں چار اور پانچ ترویحوں میں 20 رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ جو حضرات نماز تراویح کی آٹھ رکعت کے قائل ہیں ان کی سب سے مشہور دلیل رسول اللہ ﷺ کے فعل مبارک سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت ہے:

''ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعة'' (بخاری)

یعنی حضور علیہ السلام رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

ان کی اس دلیل کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں پہلا یہ کہ نماز تراویح تو نام ہے قیام رمضان کا اور اس حدیث پاک میں تو قیام رمضان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ حدیث کا حکم عام ہے۔ رمضان وغیر رمضان کی نماز کے بیان میں۔ لہٰذا اس کو ثبوت رکعات تراویح کی دلیل بنانا بعید از قیاس ہوگا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر یہ کونسی رکعات تھیں تو اس کا جواب قیام لیل کے حوالے سے دیگر احادیث سے باآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے کہ یہ نماز تہجد تھی جو حضور علیہ السلام کی پوری زندگی کے معمولات مبارکہ کا حصہ تھی۔

ان کی دلیل کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بخاری ہی میں حضرت عائشہؓ سے 13 رکعات کا قول بھی منقول ہے۔ لہٰذا کسی ایک کو ثبوت تراویح کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔

رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی

✿ **سوال:** ہمارے ہاں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ مخصوص کرلیا گیا ہے۔ کیا یہ تخصیص از روئے شرع ہے؟

☆ **جواب:** شریعت مطہرہ میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے نصاب پر سال کا گزرنا شرط ہے۔ نصاب ہر سال جس مہینے میں پورا ہوگا ادائیگی زکوٰۃ اسی ماہ سے واجب الذمہ ہو جائیگی۔ ہاں اس کی ادائیگی کے وقت میں احناف کے نزدیک وسعت ہے۔ یعنی اس کی ادائیگی فوری طور پر ضروری نہیں ہوتی۔ جب بھی دے گا ادا ہو جائے گی۔ مگر کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ فوری طور پر ادا کر دی جائے۔ اس کے لئے رمضان المبارک کی تخصیص شریعت میں نہیں کی گئی البتہ جو ہمارے ہاں رمضان المبارک میں زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کی وجہ اس ماہ مقدس کی فضیلت ہے جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ جو اس مہینے میں نفل ادا کرے گا اسے فرض کا ثواب ملے گا اور جو فرض ادا کرے گا اسے ستر فرضوں کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ صرف اس فضیلت کے حصول کے لئے زکوٰۃ اس مہینے میں ادا کی جاتی ہے۔

اعتکاف میں موبائل فون کا استعمال

✿ **سوال:** کیا دوران اعتکاف موبائل فون استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس سے اعتکاف پر کیا اثر پڑتا ہے؟

☆ **جواب:** اعتکاف کا مقصد کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت و ریاضت کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے۔ اس لئے کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ اعتکاف کرنے والوں کا زیادہ سے زیادہ وقت تسبیح و تہلیل عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار میں بسر ہو۔ البتہ ضرورت کے وقت دوران اعتکاف کسی سے بات کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ معتکف اگر مسجد کے اندر رہ کر موبائل فون پر کسی سے ضروری بات کرلے تو اس سے اعتکاف متاثر تو نہیں ہوتا البتہ بلا ضرورت اس فعل کو معمول بنالینا بھی کسی طور درست نہ ہوگا۔

اعتکاف میں چہرے کو ڈھانپنا

سوال: دوران اعتکاف بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بات چیت سے بالکل گریزاں رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات تو باقاعدہ کسی کپڑے یا رومال وغیرہ کے ساتھ منہ کو ڈھانپ کے رکھا جاتا ہے۔ اس بارے شرعی حکم کیا ہے؟

☆جواب: اسلام فطری دین ہے۔ جو انسان کی فطری ضرورتوں کو ہر معاملے میں اہمیت دیتا ہے۔ کھانا، پینا، سونا، گفت وشنید اور قضائے حاجت وغیرہ انسان کی طبعی ضرورتیں ہیں۔ ان کے بارے میں سختی دراصل فطرت کے خلاف جنگ ہوگی۔ خصوصاً دوران اعتکاف بوقت ضرورت مناسب گفتگو میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں یاوہ گوئی سے تو ہر حال میں اجتناب کا حکم ہے۔ اس حوالے سے صاحب ہدایہ کا یہ قول واضح راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ "ولا یتکلم الا بخیر ویکرہ له الصمت لان الصوم الصمت لیس بقربة فی شریعتنا لکنه یتجانب ما یکون صائما "یعنی وہ گفتگو نہ کرے مگر اچھی گفتگو اور بالکل خاموش رہنا معتکف کے لئے مکروہ ہے کیونکہ خاموشی کا روزہ رکھنا ہماری شریعت میں عبادت نہیں ہے۔ البتہ اسے بری باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

✿ ✿ ✿

ہری پور ہزارہ کا عظیم ورثہ اور ہماری ناقدریاں

محمد زبیر اعوان

''ضلع ہری پور'' ملک پاکستان کا ایسا شہر ہے جسے اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر ملک بھر میں ہی نہیں، برِ اعظم ایشیا میں ایک انفرادی مقام حاصل ہے۔ لیکن جو چیز ہمارے ملک میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہے اور ہر شہر کے عوام اس سے ارزاں ارزاں نرخوں پر مستفید ہو رہے ہیں، وہی چیز جو اس ملک کے حکمرانوں اور عوام کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ وہ ہری پور میں بھی موجود ہے اور ہم یہ بات برملا اور فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ اس معاملے میں اہلیان ہری پور ہوں یا ان کے حکمران ہوں وہ اپنی دیگر پاکستانی قوم کے شانہ بشانہ شریک ہیں کہ جس طرح پاکستانی قوم اپنے پاس پڑی ہوئی گرانقدر تاریخی عمارات کی حفاظت نہیں کرتی، اپنی تاریخ پر نگاہ نہیں رکھتی، اپنی علمی شخصیات کی قدر نہیں کرتی، اپنے تاریخی ورثوں اور اثاثوں کی حفاظت نہیں کرتی۔ یہی ناقدری جیسی عظیم چیز ہے؟ اس شہر کا بھی مقدر ہے۔ جس کی وجہ سے ہری پور کی انفرادی حیثیتوں کا اُس شان وعظمت سے اعتراف نہیں کیا گیا جس کا اُسے حق حاصل تھا۔ سو جب

صحافتی وابستگی امتحان بن گئی

سے حضور قبلہ مرشد کریم سید ریاض حسین شاہ صاحب کی زیر سرپرستی ماہنامہ دلیل راہ دوبارہ اپنی پرانی شان وعظمت کے ساتھ شائع ہونے کا سلسلہ شروع ہوا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی ملی کہ فنِ تحریر کی سیڑھی کو بھی جس نے چھونے کی جسارت کی ہے وہ کمرہ امتحان میں حاضر ہو اور اپنا تحریری پرچہ کسی بھی مضمون پر ارسال کرے تاکہ اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے کہ یہ اگلے پرچے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ تو ہم نے تو اس ہدایت میں چھپی عنائتوں کی خوشبو سے ہی خود کو معمور کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم اس امتحان کے اہل نہیں ہو سکتے مگر اس صحافتی وابستگی کے نام نے ہمیں بھی کمرہ امتحان میں لا کھڑا کیا کہ تم اگر دنیا کے مشہور و معروف اُردو روزنامے ''روزنامہ جنگ'' سے وابستہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو تمہارا بھی امتحان تو ضروری ہے کہ کیوں کر کسی روزنامے نے تمہارا تقرر کر لیا۔ لہٰذا دلیل راہ کے لئے اپنا امتحانی پرچہ ارسال کرو۔ تو ہم نے سوچا کہ کیوں نہ موضوع ہی ایسا منتخب کیا جائے جس میں پرانی محبتوں اور اثاثوں کا ذکر چھیڑا جائے۔ ظاہر ہے ناقدری جیسا لفظ دلیل راہ کی عظیم المرتبت سرپرستی کے پاس سے بھی نہ پھڑکا ہوگا۔ وہ تو سراپا مہربانی اور عنایتوں کے سمندر سے کبھی باہر ہی نہ نکلی ہوگی کہ وہ ہستی ناقدری جیسے جذبوں کو بھی پاس آنے دیتی۔ لہٰذا اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو جن مسائل کا ذکر ہو گا ان کے حل کے لئے دعائے خیر ہو جائے گی اور میرے شہر کے باسیوں کا فائدہ ہو جائے گا۔

دوسرے جس طرح بہت اچھے آموں کی پیٹی میں کچھ گلے سڑے آم بھی اُسی بھاؤ میں فروخت ہو جاتے ہیں اسی طرح بہت سے اچھے لکھاریوں میں یہ کلاسڑا لکھاری بھی ہو سکتا ہے اس لئے پاس ہو جائے کہ اگر اسے اپنے شہر سے پیار ہے تو اسی ذریعے سے اور کسی پیاری پیاری میٹھی میٹھی نسبت کی وجہ سے ہی کیوں نہ اس پر بھی مہربانی کر دی جائے اور اسے ناقدروں کے حوالے ہی نہ کر دیا جائے بلکہ اس پر اپنی نگاہِ عنایت مستقل کر دی جائے۔ چنانچہ عرصہ دراز کے بعد قلم کی نوک کو حرکت دی ہے۔ جو کہیں محبت سے چوب لگائے تو پڑھنے والے کو دعاؤں کی طلبگار ہو گی اور اگر کہیں چوب زیادہ سخت پڑ جائے تو یہ اُس ضمیر کو جھنجوڑنے کے لئے ہو گی۔ جس کی نیند نے اس مسائل کو جلا بخشی ہو گی۔ تو ہم بات کر رہے تھے ہری پور شہر کے عوام و حکمرانوں کی ناقدری کی جنہوں نے اپنے شہر کے عظیم اثاثوں اور انفرادی تشخص کا وقار بحال نہ رکھا ورنہ ہری پور شہر کو برِ اعظم ایشیاء میں یہ انفرادی اعزاز حاصل ہے کہ یہاں آبپاشی، آب نوشی اور نکاسیءِ آب کا باقاعدہ نقشے کے مطابق

یہ شہر خوانین اور مہاراجوں کا نہیں ایک سید زادے کا بھی ہے

ہری سنگھ نے فرانسیسی انجینئر بلوا کر پانی کی تقسیم کا نظام قائم کر دیا

ایسا نظام بنایا گیا ہے کہ یہاں کبھی سڑکوں پر بارش کا پانی کھڑا نہ ہو سکے۔ ہر گلی، بازار اور محلے سے لیکر گاؤں تک آج سے ڈیڑھ سو سال سے بھی زائد عرصہ قبل اُس وقت کے مہاراجہ ہری سنگھ نلوہ نے (جس کے نام پر یہ شہر آباد ہے) فرانسیسی انجینئر بلوا کر پانی کی تقسیم کا ایسا نظام قائم کر دیا تھا کہ باوجود ساری ناقدریوں اور غفلتوں اور تجاوزات کے آج بھی سال کے بارہ ماہ یہاں زمینوں کے لئے پانی کی کمی نہیں ہوتی۔ لوگوں کے گھروں کی گندگی کو بہانے کے لیے نکاسی آب کے بڑے بڑے نالے قائم ہیں لیکن نظر یہی آ رہا ہے کہ غفلت اور ناقدری کا سلسلہ جاری رہا تو یہ اعزاز بھی تاریخ کے پرانے اوراق کی نظر ہو جائے گا۔ یہ وہی شہر ہے جہاں ایشیا کا سب سے بڑا بجلی پیدا کرنے والا ''تربیلہ ڈیم'' موجود ہے۔ لیکن کبھی ہری پور شہر سے تربیلہ روڈ پر کوئی سیاح اس عظیم الشان ڈیم کی نہر کا نظارہ کرنے آ جائے تو یقین نہیں کہ اُس کھنڈرات نما عظیم الشان سڑک کو دیکھ کر بھی وہ اپنے سفر کا ارادہ برقرار رکھ سکے۔ پاکستان کی واحد سب سے بڑی ٹیلیفون انڈسٹریز آف پاکستان کی سڑک ''خانپور روڈ'' کی حالت بھی دیہی سڑکوں سے بدتر ہے۔ جسے گذشتہ 30 سالوں سے دوبارہ تعمیر نہیں کیا گیا۔ یہ دنیا کے پانچ فیلڈ مارشلز میں سے ایک فیلڈ مارشل صدر ایوب خان کا شہر ہے۔ جس کا خاندان آج بھی مختلف سیاسی روپ بدلتا ایوان اقتدار میں موجود ہے، مگر افسوس نہیں کہ یہاں کے حکمران غافل ہیں وہ ذاتی اور سیاسی مفاد تو رکھتے ہیں مگر اپنی زمین کا مفاد نہیں رکھتے بلکہ اب مجھے اُمید ہو چلی ہے نئی سحر کے آنے اور نئی صبح طلوع ہونے کی۔ کیوں کہ یہ شہر صرف ان خوانین اور مہاراجوں کا ہی نہیں جو اسلام آباد کی رنگین راتوں کے سحر میں گرفتار ہو کر اب وہیں کے ہو کر رہ گئے ہیں بلکہ یہ شہر ایک سیدزادے کا بھی ہے جو اسی شہر کی مرکزی سڑک شاہراہِ ریشم پر واقع گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 ہری پور میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بہانے اپنا بچپن نچھاور کرتا رہا اور آج دنیا کے کئی ممالک میں ان کے علم وعمل کی گواہیاں بانٹی جا رہی ہیں، مگر اس کے باوجود اب انہوں نے اپنے علاقے کی طرف رخ کر لیا ہے۔ ان کی محبتوں کے فیض اپنے علاقے کے لئے اُمڈنے کو بے قرار نظر آ رہے ہیں۔ مجھے اُمید ہو چلی ہے کہ اب میرا شہر لاوارث نہیں رہے گا۔ اس کا انفرادی اعزاز اگر ان مادی اشیاء سے نمایاں نہ ہو سکا تو کیا ہوا۔ اب روحانی فضاؤں کا اعزاز تو ملے گا اگرچہ بہت جلد نہ سہی لیکن مجھے یاد ہے کہ کبھی کوٹنالی کے سفر کے لئے رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھرانے کا ایک چشم و چراغ، صرف اس وجہ سے اسی شہر کے ایک چھوٹے سے دوکاندار کی سواری کو بھی سوار ہونے کا شرف عطا کر دیتا تھا کہ کوٹنالی کو جانے والی سڑک کچی اور پتھریلی تھی اور نئی سواری وہاں دشواری پیدا کر سکتی تھی اور اسی بہانے سے اُس سواری کی مہار پکڑ کو ڈرائیونگ کرنے کا اعزاز بھی کسی غریب کو حاصل ہو جاتا تھا۔ مگر آج کوٹنالی ہی نہیں بلکہ اُس کے آس پاس ان تمام مواضعات کی سڑکیں پکی ہو گئی ہیں جن جن راستوں کی نسبت کوٹنالی سے ہو گئی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اب اپنے حبیب ﷺ کی آل پاک کے راستوں سے اور علاقوں کو رحمت کی نظر سے فیض یاب کرنا چاہتا ہے۔

لہٰذا اب یہ اُمید ہو چلی ہے کہ میرے مرشد کریم مفکر اسلام حضور قبلہ سید ریاض حسین شاہ جی کے قدموں کی برکت سے یہ علاقہ فیضیاب ہو گا۔ بات شروع کی تھی کہ ہری پور شہر کی تجاوزات پر تحریر کروں گا لیکن ربّ کریم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل پاک سے نسبت کا صدقہ قلم کو مسائل درج کرنے کے بجائے مسائل کے حل کی طرف موڑ دیا۔ گویا قلم بھی بزبان حال کہہ رہی ہو کہ اب مسائل کے تذکرے چھوڑو، وسیلے کی وساطت سے ربّ کریم کی رحمت پر نگاہ رکھو۔ وسائل کے بھی انبار لگ جائیں گے اور مسائل بھی خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ رب العالمین اپنے دوستوں کو پریشان دیکھ کر خوش نہیں ہوتا بلکہ ان کی پریشانی دور کرتا ہے شاید اسی لیے تو وہ، جس طوائف کے ساتھی نے ایک فقیر کے پاؤں کی دھمک سے اڑنے والے پانی کے چھینٹے اپنی محبوبہ کے کپڑوں پر پڑتے دیکھے تو بے قرار ہو گیا اور فقیر کو ہاتھ کی سزا دے ڈالی۔ مگر آگے چل کر خود ہی گر کر مرگی میں مبتلا ہو گیا۔ فقیر سے کسی نے پوچھا یہ کیا ہوا تو فرمایا کہ اُس کی دوست کے کپڑوں پر چھینٹے اُسے برداشت نہ ہوئے تھے مجھے دی جانے والی پریشانی میرے دوست کو اچھی نہ لگی حساب برابر ہو گیا۔ ہم بھی سمجھتے ہیں کہ اگر کوٹنالی کی سڑکیں کسی سیدزادے کے لئے پکی ہو سکتی ہیں تو کیوں نہ جو سڑک تعمیر کرائی ہو اس علاقے میں شاہ جی کے آنے جانے کا اہتمام کرایا جائے۔ جو مسئلہ حل کرانا ہو وہاں کہیں محفل ذکر کرا دی جائے۔ اتنے پروگرام کرا دیے جائیں کہ شاہ جی ہری پور سے فارغ ہی نہ ہو سکیں۔ ہمیں ایوب خان سے تو شہرت نہ ملی، ٹیلیفون فیکٹری سے اور تربیلہ ڈیم سے پہچان نہ ملی، مگر آلِ رسول کے قدموں کی نسبت تو مل جانے۔ ہم شاہ جی کے ''گرائیں'' (علاقے کے لوگ) تو کہلا سکیں۔ شاید اسی سے آخرت بھی سنور جائے اور میرے شہر کے باسیوں پر ناقدری کا داغ بھی دھل جائے۔

✿ ✿ ✿

جرمنی میں اسلام کی روشنیاں

ایمان افروز مثالیں کردار ساز واقعات

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ

اسلام نور ہے اس کی روشنی پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسلام اپنے نور سے جسے منور کرنا چاہتا ہے وہ کفرستان کے ماحول میں بھی ہوا سے منور کرتا ہے اور جس کو وہ محروم رکھنا چاہے وہ کعبہ کے سامنے میں بھی ہو ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات پھیلنے کے لئے کبھی ظاہری، کبھی باطنی، وسائل واسباب ہوتے ہیں۔ کوئی لاکھ کوشش کرے کہ اسلام کے نور کو روشنیاں بانٹنے سے روکا جائے اس کی ہر سازش ناکام ہو جاتی ہے اور اسلام کا نور قلوب واذہان کو منور کرتا جاتا ہے۔ سورج وچاند کی کرنوں نے جہاں پہنچنا ہوتا ہے، وہاں پہنچ جاتی ہیں کوئی ان کو روک نہیں سکتا اسلام کا نور آفتاب وماہتاب سے بڑھ کر جسے منور کرنا چاہا اسے روشن اور منور کرتا ہے اس کی راہ میں ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔

یورپ میں کافرستے ہیں مگر اسلام کا نور یہاں کے رہنے والوں کو بھی منور کر رہا ہے خصوصاً جب سے موجودہ دور میں نت نئے طریقوں سے اسلام کی تعلیمات کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کبھی کارٹون شائع کر کے کبھی گستاخان رسول کو القابات دے کر، کبھی قرآن کے نسخوں کی بے حرمتی کر کے، کبھی الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا کو استعمال کر کے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور پراپیگنڈہ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا لیکن اس سب کے باوجود یورپ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال تقریباً بیس ہزار امریکن مسلمان ہو رہے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ 62 سالوں میں 18 ہزار جرمنوں نے اسلام کے نور سے اپنے قلوب کو منور کیا ہے۔

ایک نورانی چہرے والے بزرگ کی زیارت سے فیض یاب ہوا

جرمنی کے شہر کولون سے ایک جرمن اخبار کے مطابق 2006 میں چار ہزار جرمن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اسی رپورٹ کو روزنامہ جنگ آن لائن نے 9 ستمبر 2007 کو شائع کیا۔ یہ لوگ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوئے جس کے نتیجے میں ان کو مسلمان ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسلام آرکائیو سنٹرل انسٹیٹیوٹ کے سربراہ عبداللہ کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں کی زیادہ تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ دراصل تعلیم ذہن کو کھولتی اور قلب ونظر کو وسعت دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمی اقدار اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ کسی بات کو تسلیم کرنے کے لئے تحقیق کی راہ کو اپنایا جائے اور حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ نائن الیون کے بعد پوری دنیا میں اسلام کے خلاف میڈیا نے جو کردار ادا کیا وہ کسی بھی بابصیرت شخص کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ میڈیا کے اسلام بیزار رویے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمی مزاج رکھنے والوں کا اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے تجسس بڑھا اور انہوں نے اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لئے کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ اسلام اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کا کیا درس دیتا ہے؟ جب اسلام کا مطالعہ کیا، فلاح انسانیت، اخوت، مساوات، بھائی چارہ، امانت ودیانت، صدق وسچائی ایسے اسلام کے سنہری اصولوں نے دلوں کے پردوں کو سرکایا اور ان کے ضمیر کو جھنجوڑا کہ ایسی تعلیمات کو صرف معلومات کی حد تک رکھنا قرین انصاف نہیں بلکہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ اسلام کے نور سے اپنے ظاہر وباطن کو منور کیا جائے۔

اسلام قبول کرنے والوں نے مقامی لوگوں کو حیران کر دیا اور جرمنی کے مقامی ٹی وی نے اسلام قبول کرنے والوں سے انٹرویو کئے تاکہ اس بات کو جانا جائے کہ لوگ عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام کی جانب کیوں مائل ہو رہے ہیں؟ کیونکہ جرمنی میں اسلام قبول کرنے والوں کا رجحان بڑھ رہا ہے بلکہ مونیکا ولرپ (جرمن سوشیالوجسٹ) کا کہنا ہے کہ عیسائیت کو چھوڑنے والوں کی اکثریت اسلام کو ہی عیسائیت کا متبادل قرار دیتی ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق 80 فیصد عیسائیت کو چھوڑنے والے اسلام کو ہی قبول کرتے ہیں۔ صرف عیسائیت ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب سے اسلام کا موازنہ کیا جائے تو ہر مذہب کے مقابلے میں اسلام دین حق ہے جس کے قبول کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔

جرمن شہرت رکھنے والے ایک بھارتی سکھ جو کہ اب مسلمان ہے اس کا کہنا ہے کہ میں اسلام کے بہت مخالف تھا لیکن ہمیشہ دوسروں کے کام کر

کے مجھے خوشی ہوتی حتیٰ کہ مسلمان مجھے کہتے کہ تمہارے کام مسلمانوں والے ہیں تم اسلام قبول کرلو لیکن میں مخالفت کرتا اس لئے کہ ہمارا پورا خاندان سکھ، ہندو ہیں اور اسلام کے مخالف ہیں، لیکن وہ کہنے لگا جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت سے نوازنا چاہے تو اسباب خود پیدا ہو جاتے ہیں مجھے خواب میں مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی زیارت ہوئی، برگزیدہ ہستیوں کا دیدار ہوا، یہاں تک کہ مقدس خوابوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ سال بھر ایسی کیفیت رہی آخر دل میں ایک شوق پیدا ہوا، میں نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں لیا اور تین ہفتوں میں قرآن پاک پڑھ لیا اور ایک رات پھر ایسے ہوا کہ رات کو میں جاگا کمرے سے باہر گیا، دوبارہ کمرے میں آیا پھر اپنے بیڈ پر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک دروازے میں ایک نورانی چہرے والے بزرگ کی زیارت سے فیض یاب ہوا فوراً خیال آیا کہ یہ تو جان کائنات ﷺ ہیں جن کے قلب اطہر پر نازل ہونے والا قرآن پڑھا ہے۔ بس پھر کیا تھا مسجد گیا اور اسلام کی غلامی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالا۔

بیداری کی حالت میں زیارت ہونا اور اسلام قبول کرنا بہت بڑی سعادت ہے اور اسلام کے نور سے فیضیاب ہونے کا خدائی اہتمام ہے۔ اللہ کرے ہماری زندگی میں جمال رسالت ﷺ سے مشرف ہونے کا بھی کوئی اہتمام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے وسیلے سے اسلام کی نورانی راہوں میں ہمیں استقامت نصیب فرمائے۔۔۔ آمین۔

✿ ✿ ✿